لا حول ولا قوة الا باللہ

تفسیر ابن کثیر (اردو)

مصنفہ
علامہ ابن کثیر

جس پر
علمائے اسلام کا اتفاق ہے
کہ
اس کے بعد کی تمام تفاسیر
قرآن اس سے ماخوذ ہیں۔

ترجمۂ قرآن پاک
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ

حواشی و اضافات
مولانا انظر شاہ کشمیری مدرس دار العلوم دیوبند
ابن
حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ
کشمیری رح محدث دار العلوم دیوبند

پارہ نمبر ۹
قال الملأ
جز ۱۰

ناشر
مکتبۂ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مطبوعہ ــــــ آزاد پرنٹنگ پریس دیوبند
قیمت ــــــ پانچ روپئے

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ

کہ اے شعیب ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ۔ شعیب نے جواب دیا کہ

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۴ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ

کیا ہم تمہارے مذہب میں آ جاویں گو ہم اس کو (بدلیل و بصیرت) مکروہ ہی سمجھتے ہوں ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں۔ اگر (خدا نہ کرے) ہم تمہارے مذہب

مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ

دی ہو۔ اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جاویں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے (ہمارے) مقدر (میں) کیا ہو ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۵

ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری (اس) قوم کے درمیان میں فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں

سرکشی اور عناد کا عبرتناک انجام

کفار اپنے نبی شعیب علیہ السلام کے ساتھ اور اس زمانے کے مسلمانوں کے ساتھ جس بدسلوکی کے ساتھ پیش آئے اور جس طرح شعیبؑ کو اور مومنین کو ڈرایا دھمکایا کہ یا تو ہماری بستی چھوڑ دو یا پھر یہ کہ ہمارا مذہب اختیار کر دو اور ہمارے ساتھ وفا کا معاملہ کرو انھیں سب باتوں کو اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں۔ یہ خطاب بظاہر تو رسول سے ہے لیکن خطاب کا اصل رخ امت کی جانب ہے۔ قوم شعیبؑ کے متکبرین نے کہا تھا کہ اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ پھر تمہیں ہماری ملت میں واپس آنا پڑے گا تو شعیبؑ کہتے ہیں کہ کیا تم ایسا کرنا چاہتے ہو اگرچہ ہمیں شرک اختیار کرنا ناپسند ہو اگر ہم تمہاری ملت میں واپس آ جائیں اور تمہارے ہی نظریات کو اپنا لیں تو ہم خدا پر بڑا زبردست بہتان لگائیں گے کہ ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھیرائیں۔ اس طرح کفار کے اتباع

ف معاذ اللہ شعیب علیہ السلام کسی بھی وقت ان کی ملت پر نہیں تھے لیکن نبی کا زمانہ قبل نبوت کیونکہ خاموش دور ہوتا ہے نہ اس زمانے میں توحید کی دعوت ہوتی ہے نہ شرک و بت پرستی پر تنقید۔ اس لئے مشرکین یہ زعم خود سمجھ لیتے ہیں کہ نبی بھی انھیں کی ملت پر ہے۔ حالانکہ نبی بدو فطرت سے سلیم فطرت اور موحدانہ کیش لے کر آتا ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری

سے نفرت ظاہر کی جا رہی ہے۔ ہم سے تو یہ نہ ہو گا کہ ہم پھر مشرک بن جائیں۔ ہاں خدا ہی ہمیں بھٹکنے دے تو اور بات ہے یہاں بھی بات کا دارومدار خدا تعالیٰ ہی کو قرار دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کو آئندہ کی ہر بات معلوم ہے۔ ہم جو اختیار کرتے ہیں اور جو اختیار نہیں کرتے سارے اُمور میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے خدا ہماری اِس قوم کے اور ہمارے درمیان حق بات کو ظاہر فرما دے اور ہمیں ان پر فتح عنایت فرما۔ تو خیر الفاتحین ہے، خیر الحاکمین ہے، ایسا عادل و منصف ہے کہ ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝۹۰

اور ان کی قوم کے (ان ہی مذکور) کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب م کی راہ پر چلنے لگو گے تو بیشک بڑا نقصان اٹھاؤ گے

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝۹۱ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا

پس ان کو زلزلہ نے آ پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے جنھوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی

كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۛ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۝۹۲

ان کی یہ حالت ہو گئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ جنھوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی وہی خسارے میں پڑ گئے۔

خسران بد بخت قوم ہی کا حصہ ہے

ارشاد ہے کہ ان کا کفر، تمرّد اور ضلالت کس شدّت کی ہے اور مخالفتِ حق ان کے دلوں میں کس قدر جبلّی اور فطری بن گئی ہے۔ اسی لئے انھوں نے آپس میں قسمیں کھالیں اور عہد کر لیا کہ دیکھو اگر تم نے شعیب کی بات مان لی تو بڑے خسارے میں رہو گے۔ اُن کے اِس عزمِ راسخ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس عزم کے سبب ان پر ایک ایسا زلزلہ بھیجا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں دھرے کے دھرے رہ گئے اور یہ سزا تھی اِس بات کی کہ شعیبؑ کو انھوں نے بلاوجہ ڈرایا، انھیں جلاوطنی کی دھمکی دی جیسا کہ سورۂ ہود میں ذکر ہے کہ "جب ہمارا عذاب اُن پر آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور ان کے اصحاب کو اپنی رحمت سے بچالیا۔ اور ان ظالموں کو ایک ایسی کڑک نے آ پکڑا کہ اپنے گھروں ہی میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور فنا ہو گئے۔" ان دونوں آیتوں میں مناسبت یہ ہے کہ ان کافروں نے جب أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ الخ کہہ کر تذلیل کی تو ایک زبردست چیخ نے انھیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ سورۂ شعراء میں اللہ پاک یوں واقعہ بیان فرماتا ہے کہ جب اُنھوں نے نبی کو جھٹلایا تو ابر سے اُن پر عذاب آ نازل ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ایسا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔ چنانچہ بتایا گیا کہ انھیں آسمانی عذاب آ پہنچا اور ان پر تین عذاب جمع ہو گئے۔ ایک تو آسمانی عذاب کہ ابر سے آگ کی چنگاریاں اور شعلے گرنے لگے پھر آسمان سے ایک رعد اور کڑک پیدا ہوئی اور اُن کے قدموں تلے زمین سے ایک شدید زلزلہ پیدا ہوا کہ ان کی جانیں نکل گئیں اور جسدِ بے روح بن کر رہ گئے اور اپنے گھروں میں ڈھیر ہو گئے۔ گویا کبھی اس بستی میں بسے ہی نہیں تھے۔ حالانکہ وہ رسول کو دیس نکالا دے رہے تھے۔ اب مقابلۃً انھیں کے لفظ کو اللہ پاک دُہراتا ہے کہ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہی خسارے میں رہے۔

فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ

اس وقت شعیبؑ اُن سے منھ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمھاری خیر خواہی کی

ع ۹ ۱۱ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝۹۳

پھر میں ان کافروں پر کیوں رنج کروں۔

بیزاری

کافروں کے اس طرح کہنے سے شعیبؑ وہاں سے چلے گئے اور کہہ دیا کہ اے قوم! میں نے خدا کے پیغامات تمھیں پہنچا دیئے تھے۔ میں نے اپنا حق ادا کر دیا تھا اس پر بھی میری خیر خواہی سے تم نے فائدہ نہ اٹھایا تو تمھاری اس

ف۔ یعنی بستیاں ایسی کھنڈر نظر آتی ہیں کہ گویا ان میں کبھی آبادی ہی نہیں ہوئی۔ ۔ انظر شاہ کشمیری ۔

بد انجامی کو دیکھکر میں کیوں افسوس کروں اور اپنے کو کیوں ہلاک کروں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو تاکہ وہ

یَضَّرَّعُوْنَ ① ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

ڈھیلے پڑ جاویں پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی یہاں تک کہ انکو خوب ترقی ہوئی اور (اس وقت براہ کج فہمی) کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ②

تنگی اور راحت پیش آئی تھیں تو ہم نے اُن کو دفعۃً پکڑ لیا اور اُن کو خبر بھی نہ تھی۔

بد نصیب قومیں خدا کے عذاب کی مستحق ہیں

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ سابقہ اُمتیں جن کی طرف انبیاء بھیجے گئے انھیں تکلیف پہنچا کر اور شادمانی دے کر ہر طرح ہم نے آزمایا بأساء یعنی بدنی تکلیف جسمانی امراض و اسقام۔ اور ضرّاء وہ مصیبت جو فقر و حاجت کی ہوتی ہے۔ شاید کہ وہ ہماری طرف رجوع کریں، ہم سے ڈریں اور اس مصیبت کے دُور ہونے کی درخواست کریں۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سختیوں میں مبتلا کیا تاکہ ہمارے سامنے عاجزی پیش کریں۔ لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا۔ اس پر بھی ہم نے دنیاوی راحت اور خوب مال و منال عطا کیا، انھیں دولت مند و خوش حال بنا دیا تاکہ انھیں آزمائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ شدت اور سختی کے بجائے نرمی و راحت پیدا کر دی۔ مرض کے بجائے صحت و عافیت دے دی۔ فقر کے بجائے دولت مندی بخشی تاکہ وہ شکر ادا کریں اور کفرانِ نعمت چھوڑ دیں لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا۔ حَتّٰى عَفَوْا یعنی ان کی اولاد و اموال میں برکت دی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مسرت و مضرت دونوں چیزوں سے ہم نے انھیں آزمایا تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکیں۔ لیکن نہ وہ ہمارے شکر گذار ہوئے نہ صبر و عاجزی اختیار کی اور کہنے لگے کہ ہم تو مصیبت و مضرت میں پھنس گئے تھے اس کے بعد ہم نے انھیں راحت و خوشی دی تو کہنے لگے کہ یہ انقلاب راحت و مصیبت تو آبا و اجداد کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ سے یہی دور رہتا ہے زمانہ کبھی ایسا ہوتا ہے کبھی ویسا۔ اسی طرح ہم بھی کبھی راحت میں رہے۔ کبھی مصیبت میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ چاہیے تھا کہ وہ اس اشارے سے خدا کے عذاب کو تاڑ جاتے اور خدا کی آزمائش کی طرف ان کا ذہن جاتا۔ لیکن مؤمنین کا حال ان کے برخلاف تھا۔ وہ شادمانی و راحت کے زمانے میں خدا کا شکر ادا کرتے اور مضرت و مصیبت پر صبر اختیار کرتے۔ جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کے حال پر بڑا تعجب ہے کہ خدا کا جو حکم بھی اس سے متعلق ہو، اس میں اس کے لئے خیر کا ہی پہلو نکل آتا ہے۔ اگر مصیبت پہنچی اور صبر کیا تو بھی اس مضرت کے اندر نفع ہی میں رہا۔ اور اگر شادمانی ملی اور شکر کیا تو بھی مزے میں رہا۔ مؤمن تو وہ ہے کہ مضرت و مسرت پہنچے تو ہر صورت میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ میں خدا کی طرف سے مضرت یا مسرت دے کر آزمایا جا رہا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ مصیبتیں مؤمن کو گناہوں سے پاک کرتی رہتی ہیں۔ اور منافق کی مثال مثل گدھے کے ہے جو نہیں جانتا کہ اس پر کیا لدا ہے اور کس غرض سے اس سے کام لیا جا رہا ہے اور کیوں باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انھیں یکایک عذاب میں مبتلا کر دیا کہ عذاب آنے کا انھیں گمان تک نہ تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ناگہاں موت مؤمن کے لئے تو رحمت ہو سکتی ہے اور کافر کے لئے حسرت و تأسف ہے[1]

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے

[1] مثلاً اچانک اوپر سے گر کر مرنا، ڈوب جانا، قتل ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ مؤمن کے لئے مقام شہادت ہے اور کافر مرنے کے بعد دائمی حسرت میں مبتلا ہو گا مگر اور سوچے گا کہ کاش دنیاوی زندگی ایمانی زندگی ہوتی۔ منظر شاہ کشمیری

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ

لیکن انھوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) انکو ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے پکڑ لیا۔ کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر (رات) ہمارا عذاب

بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿۴﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ

شب کے وقت آپڑے جس وقت وہ پڑے سوتے ہوں۔ اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دوپہری آ پڑے

هُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۵﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶﴾ ع ۱۲ ۲

جس وقت کہ وہ اپنے لایعنی قصوں میں مشغول ہوں۔ ہاں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس (ناگہانی) پکڑ سے بے فکر ہو گئے سو (سمجھ رکھو) خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا

برکاتِ ایمان

بستی والوں کے کفر کی خبر دی جا رہی ہے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ فرمایا کہ یہ بستی والے ایمان کیوں نہیں لائے کہ ان کا ایمان ان کو نفع دیتا۔ قوم یونس جب ایمان لائی تھی تو ہم نے انھیں دنیا کے رسوا کن عذاب سے بچا لیا اور ایک عرصہ تک وہ دنیوی راحتوں سے دوچار رہے یعنی سب کے سب نے ایمان قبول نہیں کیا سوا قوم یونس کے کہ جب انھوں نے عذاب دیکھ لیا تو مومن ہو گئے۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے اس کو ایک لاکھ سے زیادہ انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم آسمان و زمین کی برکتیں ان پر نازل کرتے۔ یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات۔ لیکن انھوں نے جھٹلایا۔ اس کی سزا میں ہم نے بھی انھیں عذاب کا مزا چکھایا۔ یعنی رسولوں کی تکذیب کی تو ان کے افعالِ بد کے سبب انھیں عذاب کے شکنجے میں کسا۔ پھر اللہ پاک اپنے اوامر کی مخالفت اور گناہوں پر جرأت کرنے سے انھیں ڈراتا ہے۔ کیا یہ بستی والے کافر ہمارے عذاب و نکال سے محفوظ ہو گئے وہ سوتے ہی رہیں گے اور رات ہی رات میں ہمارا عذاب انھیں آ پہنچے گا یا اس بات سے وہ مامون ہو گئے کہ دن میں کسی وقت عذاب انھیں گھیرے اور اس وقت وہ اپنے کاروبار اور اپنی غفلت میں لگے ہوئے ہوں۔ کیا اس بات سے وہ امن میں ہو گئے کہ ہمارا انتقام کسی وقت بھی آ پکڑے گا اور وہ اس وقت اپنے سہو اور غفلت میں ہوں گے۔ سمجھ رکھو کہ کمبخت قوم کے سوا کوئی خدا کے عذاب سے بے فکر نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مومن طاعت کرتا ہے، نیک عمل کرتا ہے اور پھر بھی وہ خدا سے خوف زدہ رہتا ہے۔ اور فاجر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر بھی وہ اپنے کو محفوظ و مامون سمجھتا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ

اور ان (گزشتہ) زمین پر رہنے والوں کے بعد جو لوگ (اب) زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان واقعات مذکورہ نے انکو یہ بات (ہنوز) نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو ان

بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱﴾

ہلاک کر ڈالتے　اور ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ سنتے نہیں

دلوں پر قفل

ارشاد ہوتا ہے کہ جانتے ہو کہ پہلے کے لوگوں کو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا تھا اور اب یہ وارثِ زمین بنے ہیں اور زمین پر انھیں بسایا گیا ہے لیکن کیا یہ بات اب بھی ان پر واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہیں تو انھیں بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔ ان کافروں نے اپنے سے پہلے لوگوں کی سیرت اختیار کر رکھی ہے انھیں کے سے اعمال کر رہے ہیں اور خدا سے سرکش بنے ہوئے ہیں اس سرکشی کی سزا میں ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے کہ پھر وہ کسی اچھی بات کو نہ سن سکیں نہ سمجھ سکیں۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا ہے

ف مطلب یہ ہے کہ اللہ عزیز و غالب، قادر و مقتدر ہے وہ کسی بھی وقت عذاب لا سکتا ہے سو ایسے قادر و توانا کے مقابل میں جرأت اور عذاب سے اس درجہ بے پروائی حماقت و نادانی ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

کرنہ کیا انھیں اس بات سے عبرت نہیں ہوتی کہ اس سے پہلے کتنی ہی قومیں تباہ کر دی گئی ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں کیسے رہتے بستے تھے؟ کیا یہ سمجھ داروں کے لئے نشانیاں نہیں ہیں۔" اور فرمایا "کیا اس سے پہلے تم پختہ عزم کے ساتھ دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ تم کو زوال ہو گا ہی نہیں حالانکہ ان کو زوال ہو گیا اور آج انھیں ظالموں کی جگہ تم بیٹے ہو اور فرمایا کہ ان سے پہلے کتنی قومیں تباہ ہو گئیں کہ آج ان کا نام و نشان تک نہیں، نہ ان کی کوئی آواز تک سُنائی دیتی ہے۔" اور فرمایا "کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے کتنی قومیں یہاں بادشاہت کرتی تھیں کہ وہ حکومت و سلطنت تمھیں بھی نصیب نہیں اور پھر آسمان سے بارش کا عذاب اور زمین تلے سے سیلاب اُبل پڑا اور وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے۔ اس کے بعد ہم نے دوسری قوم کو لا بسایا۔ عاد کی قوم کی تباہی کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ اب صرف ان کے کھنڈر دیکھے جا سکتے ہیں۔ مجرمین کا یہی حشر ہوتا ہے جس میں آج ہم نے تمھیں بسایا ہے۔ کبھی ان کو بسایا تھا ان کو سُننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل دیئے تھے لیکن اُن کے کانوں، اُن کی آنکھوں، اُن کے دلوں نے اُنھیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا کیونکہ وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جو استہزا وہ کرتے تھے اس کی سزا پائی۔ تمھاری سرزمین کے اطراف ہی کی کتنی بستیاں اُجڑ گئیں اور کتنی ہی نشانیوں کا ہیر پھیر ہو گیا ہے۔ سمجھ شاید کہ کچھ عبرت پکڑو۔ اور فرمایا کہ "ان سے پہلے کے لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو اس کا کیسا نتیجہ دیکھنا پڑا اور تم تو ان کے دسویں حصّہ کے برابر بھی قوت نہیں رکھتے ہو۔" اور فرمایا "وہ کتنی بستیاں اُجڑ گئیں۔ ان کے گھروں کی چھتیں گر گئیں، چشمے بیکار ہو گئے، بڑے بڑے محل ویران پڑے ہیں۔ انھوں نے دنیا میں گھوم پھر کر کیوں نہیں دیکھا کہ انھیں سمجھنے والا دل اور سُننے والے کان ملتے کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔" اور فرمایا کہ "رسولوں کے ساتھ مذاق کیا گیا ان پر اسی مذاق کا عذاب نازل ہوا۔" غرض اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جو دشمنانِ خدا کے ساتھ انتقام پر روشنی ڈالتی ہیں اور اولیائے خدا کے ساتھ احسان و کرم پر۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حسب ذیل ارشاد ہوتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

ان (مذکورہ) بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تھے۔ پھر

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (۲)

جس چیز کو انھوں نے اول (وہلہ) میں (ایک بار) جھوٹا کہدیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ (۳)

اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا

بستیوں کے افسانے

نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب کی قوموں کا ذکر کرنے کے بعد کہ وہ تو ہلاک کر دیئے گئے اور مومن بچا لئے گئے اور یہ کہ رسولوں کے ذریعہ معجزات اور دلائل پیش کر کے ان کی تکمیل حجت کر دی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمدؐ! ان بستیوں کے حالات ہم تمھیں سُنا رہے ہیں۔ ان کے پاس رسولوں نے کھلی نشانیاں پیش کی تھیں اور ہم تو رسول بھیج کر تکمیلِ حجت کرنے کے بغیر کبھی عذاب نہیں کرتے۔ یہ ان بستیوں کے قصّے ہیں کہ جن میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ یہ ظلم ہم نے نہیں کیا اُنھیں نے اپنی جانوں پر کر لیا تھے۔ وہ آپ ذمّہ دار میں ہیں اور وہ کیا ایمان لاتے جب کہ اس سے پہلے انھوں نے جھٹلا دیا تھا۔ بِمَا كَذَّبُوْا۔ کا (ب) سببیہ ہے یعنی حق کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ایمان لانے کے وہ حقدار ہی نہ رہے۔ جیسے

لے یعنی آنکھ کھلی رہتی ہے اور تمام ہی عبرت انگیز مناظر دیکھتی ہے لیکن دل عبرت حاصل نہیں کرتا تو آنکھ اندھی نہ ہوئی بلکہ دل اندھا ہوا۔ چشم بینا اور قلب مومن کی ضرورت ہے ورنہ دل اور آنکھ کس کام کے؟ ۱۲ انظر شاہ کشمیری لے نہ کفر کرتے اور نہ خدا کا عذاب آتا گویا کہ کفران کا فعل اور اس کے نتیجہ میں عذابِ خدا۔ اس طرح عذاب الٰہی کو دعوت دینے والے وہی ہوئے ۱۲ انظر شاہ کشمیری ✦

کو فرمایا تم کیا جانو۔ یہ تو معجزے پیش کرنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو اُلٹ دیں گے کیونکہ یہ پہلی بار بھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ "اللہ کافروں کے دلوں پر مُہر لگا دیتا ہے۔ ان میں کی اکثر گذشتہ قوموں کو اپنے عہدو میثاق کا پاس ہی نہیں۔ ان میں سے اکثر تو ہمیں فاسق ہی ملے جو طاعت اور فرماں برداری سے خارج ہیں۔ یہ عہد وہ ہے جو روزِ ازل میں ان سے لیا گیا تھا اور اسی پر وہ پیدا کئے گئے اور یہی بات ان کی فطرت وجبلّت میں بھی رکھی گئی۔ وعدہ یہ تھا کہ اللہ ہی اُن کا رب ہے اور مالک ہے اُس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ اس کا انھوں نے اقرار کیا تھا' گواہی دی تھی۔ لیکن پھر اس کی مخالفت کر کے عہد کو انھوں نے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا۔ اور خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرنے لگے جس کی نہ کوئی دلیل ہے' نہ حجت' نہ عقل کی بات ہے' نہ شرع کی۔ فطرتِ سلیمہ تو اِس بُت پرستی کے خلاف ہے۔ شروع سے آخر تک تمام انبیاءؑ بُت پرستی سے روکتے رہے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو تو بُت پرستی سے الگ پیدا کیا تھا۔ شیاطین آئے اور اُن کے سچے دین سے انھیں بھٹکا دیا۔ اور میں نے جو حلال کیا تھا وہ اُنھوں نے حرام کر لیا۔ صحیحین میں ہے کہ ہر مولود اپنی فطرتِ اسلامیہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے یہودی یا نصرانی والدین اس کو یہودی یا نصرانی بنا ڈالتے ہیں' یا مجوسی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے جتنے نبی بھیجے سب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تلقین کرتے رہے۔ ارشاد ہے کہ تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان سے ہم پوچھیں گے کہ کیا خدا کے سوا کوئی اَور بھی پرستش کے قابل قرار دیا گیا تھا۔ اور فرمایا ہر قوم میں ہم نے رسول بھیجے کہ پرستش صرف خدا کی کرو اور شیطان کی پرستش سے بچے رہو۔ اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں۔ آیتِ بالا کے بارے میں ابی کعب کہتے ہیں کہ یوم میثاق میں بندوں نے جو اقرارِ وحدانیت کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس لئے بنا بر علمِ خداوندی وہ ایمان لانے والے نہیں اور یہی ہو کر رہا کہ دلائل سامنے آنے کے باوجود ایمان نہ لائے اگرچہ روزِ میثاق ایمان قبول کیا تھا۔ لیکن خدا جانتا تھا کہ یہ ناخوشی کے ساتھ ہے جیسے فرمان ہے کہ اگر یہ دوبارہ دنیا کی طرف بھیجے جائیں تو پھر بھی وہی بُت پرستی اور شرک و معاصی کرنے لگیں۔ جن سے ان کو منع کر دیا گیا تھا

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ

پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا سو اُن لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا سو دیکھئے ان

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۴﴾

مفسدوں کا کیا انجام ہوا

فرعون سے سامان

ارشاد ہوتا ہے کہ سابقہ پیغمبر۔ نوحؑ' ہودؑ' صالحؑ' لوطؑ' شعیبؑ کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیات بینات دے کر فرعون کی طرف بھیجا۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم نے انکار اور کفر کیا۔ جیسا کہ فرمایا انھوں نے سرکشی کے سبب انکار کیا ہے حالانکہ ان کے دل مانتے ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے اللہ کی راہ سے روک دیا تھا اور رسولوں کی تکذیب کی۔ اے محمدؐ! تم غور و فکر کرو کہ ہم نے انھیں کیسی سزا دی اور موسیٰؑ کے دیکھتے ہم نے انھیں غرق کر دیا۔ دیکھو ان مفسدین کا کیسا نتیجہ رہا۔ فرعون اور اس کی قوم کے عذاب سے متعلق بات کس بلیغ طریقہ سے بیان کی گئی ہے اور موسیٰؑ اور مؤمنین کے لئے کیسی تشفی بخش ہے

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۵﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ

اور موسیٰؑ نے فرمایا اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں میرے لئے یہی شایاں ہے کہ بجز سچ کے

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ

خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں سو تو بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِيْلَ ﴿۶﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾

میرے ساتھ بھیج دے فرعون نے کہا اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے اگر آپ سچے ہیں

تبلیغ اور رشد و ہدایت

موسیٰؑ اور فرعون کا مناظرہ ہوتا ہے۔ فرعون کے دربار میں اور اس کی قوم قبطیوں کے سامنے آیات بینات کا اظہار ہوتا ہے، اور دلائل و حجت پیش کئے جاتے ہیں کہ موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ میں خدا کی طرف سے رسول ہوں اُس نے بھیجا ہے جو ہر شے کا خالق اور مالک ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ حق بات ہی پیش کروں۔ بعض نے حقیق کے اُن کے معنی حقیق بان مراد لئے ہیں اور کہا ہے کہ (ب) اور (علیٰ) ایک دوسرے کے عوض آسکتے ہیں جیسے رَمَیْتُ بِالْقَوْسِ اور عَلَی الْقَوْسِ اور جاء علی حال حسنۃ اور بحال حسنۃ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حقیق سے مراد حریص ہے یعنی میں تو یہی بات ہی کہنے پر حریص ہوں۔ بعض مدنی قاری کہتے ہیں کہ یہ لفظ علیٰ نہیں عَلَیَّ ہے جس کے معنی ہیں واجب یعنی مجھ پر واجب اور حق ہے کہ حق بات کے سوا دوسری بات نہ کہوں۔ میں خدا کی طرف سے قطعی دلیل لے کر تمہاری طرف آیا ہوں۔ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو کر دو انھیں اپنی قید سے آزاد کر دو کیونکہ وہ اسرائیل یعنی یعقوب بن اسحٰق نبی کی نسل سے ہیں ان کی اولاد ہیں تو فرعون نے کہا تمہارے دعوائے رسالت کو ہم نہیں مانتے اگر تم پیغمبر ہو اور کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو بتاؤ تاکہ تمہاری بات کی تصدیق کی جاسکے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۹﴾ ع ۱۳

پس آپ نے (فوراً) اپنا عصا ڈال دیا سو دفعۃً وہ صاف ایک اژدہا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو

معجزات موسیٰؑ

موسیٰؑ نے اپنا عصا سامنے ڈال دیا تو خدا کی قدرت سے وہ ایک اژدہا بن گیا اور اپنا منہ پھاڑ کر فرعون کی طرف لپکا فرعون تخت سے کود پڑا اور موسیٰؑ سے چلا کر کہنے لگا کہ موسیٰ! اسے روک لو۔ آپ نے روک لیا اور وہ پھر عصا بن گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب اس نے منہ پھاڑا تو اس کا نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا محل کی دیوار پر تھا۔ جب وہ فرعون کی طرف بڑھا تو وہ کانپ اٹھا، کود کر بھاگنے لگا اور چیخ اٹھا کہ اے موسیٰ اس کو پکڑ لو۔ میں تم پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ موسیٰؑ نے اس کو پکڑ لیا اور وہ عصا بن گیا۔ موسیٰؑ جب فرعون کے پاس آئے تھے تو فرعون نے کہا میں بتاؤں تم کون ہو؟ موسیٰؑ نے کہا اچھا بتاؤ۔ اُس نے کہا تم وہی تو ہو کہ ہمارے ہی پاس بڑھے اور پلے ہم ہی تمہیں پالتے رہے۔ موسیٰؑ نے اس کا جواب دیدیا تو فرعون نے حکم دیا اس کو پکڑ لو۔ موسیٰؑ نے یہ سن کر فوراً عصا پھینک دیا وہ ایک بڑا سا اژدہا بن کر لہرانے لگا اور لوگوں پر حملہ کرنے لگا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس ہنگامے میں پچیس ہزار آدمی مر گئے لوگ کچل کر مرنے لگے۔ فرعون اپنے محل میں بھاگ گیا۔ اس روایت میں بہت غرابت ہے واللہ اعلم۔[1] اب ارشاد ہوتا ہے کہ دوسرا معجزہ موسیٰؑ نے یہ بتایا کہ اپنی قمیص میں ہاتھ ڈال کر جب باہر نکالا تو وہ انتہائی روشن اور چمکدار ہو کر نکلا کہ اس پر نظر نہیں ٹھیر سکتی تھی اُسکی روشنی میں کوئی کوتاہی نہیں تھی اور جب اپنی آستین میں واپس لیجاتے تو وہ پھر پہلا جیسا ہو جاتا تھا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انھوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے (ضرور) یہ (یہی) چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری (اس) سرزمین سے باہر کر دے

[1] جیسا کہ ابن کثیر نے بھی کہا واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت بہت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ۲

سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو

تہمت تراشی اور ساحری کے الزامات

جب ان لوگوں کا خوف ختم ہوا اور اصلی حالت پر آئے تو فرعون نے اپنے ارکانِ سلطنت سے کہا کہ یہ تو بڑا ہی ماہر ساحر معلوم ہوتا ہے لوگوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور مشورے کرنے بیٹھے کہ اب اس بارے میں کیا کیا جائے۔ اس کے نور کو بجھانے، اس کی بات کو دبانے اور موسیٰ کے کذب و افترا کو ثابت کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے۔ انھیں اس بات کا اندیشہ ہو گیا کہ لوگ اُس کے معتقد ہو کر اس کے سحر کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ جس سے موسیٰ کا غلبہ ہو جائے گا اور وہ لوگوں کو ان کی سرزمین سے نکال باہر کرے گا۔ لیکن جس بات کا اندیشہ انھیں تھا اسی میں مبتلا ہونا پڑا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ فرعون و ہامان کو وہی خوف سامنے آیا جو انھیں تھا۔ اور جب یہ لوگ موسیٰ کے بارے میں مشورہ کر چکے تو ایک رائے پر اتفاق کر لیا جس کی حکایت اللہ پاک نے فرمائی۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۳ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ۴

انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی (ہارون) کو چند سے مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکاروں (سپاہیوں) کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر

باطل پرستوں کی یلغار

سرداروں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی کو روک لیا جائے اور ملک بھر کے تمام شہروں میں آدمی بھیجے جائیں اور مشہور مشہور جادوگر جمع کئے جائیں۔ اس زمانہ میں سحر کا بہت زور تھا سب کا یہی وہم اور گمان ہو گیا کہ موسیٰ کا یہ معجزہ سحر اور شعبدہ کاری تھا چنانچہ انھوں نے تمام جادوگروں کو جمع کیا تاکہ موسیٰ کی اس فن کاری کا معارضہ اور مقابلہ کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرعون کی بات نقل فرمائی ہے کہ اے موسیٰ تم اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے ہو۔ ہم بھی تمہاری طرح کے سحر سے تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اب امتحانِ مقابلہ کی کوئی تاریخ قرار دو۔ اس کے خلاف نہ تم کرو نہ ہم۔ موسیٰ نے کہا عید کے روز صبح کے وقت سب لوگ جمع کئے جائیں۔ اب فرعون نے جا کر اپنی فریب کارانہ تدبیریں اختیار کیں اور آخر کار وقتِ مقررہ آ گیا۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ۵

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۶

فرعون نے کہا کہ ہاں (بڑا انعام ملے گا) اور مزید برآں تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے

باطل پرستی کی ایک اور مثال

یہاں اس قرارداد کو بیان کیا جا رہا ہے جو فرعون اور جادوگروں کے درمیان ہوئی تھی جو معارضۂ موسیٰ کے لئے بلائے گئے تھے کہ اگر وہ موسیٰ پر غالب آ جائیں گے تو انھیں بڑا انعام دیا جائے گا اور ان کی منہ مانگی مراد دی جائے گی اور انھیں ہمنشینوں اور مقربوں میں بڑا درجہ دیا جائے گا۔ جب فرعون سے وعدہ لے لیا تو موسیٰ سے کہا۔

۵ مفسرین نے لکھا ہے کہ خاص اس دن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ عام اجتماع ہو تو حق و باطل کا امتیاز ہر شخص کر سکے ظاہر ہے کہ عید کا دن عوام کے اجتماع کا دن ہے لیکن یہ دسویں کی عید نہیں تھی بلکہ فرعونیوں کے میلے کا روز تھا ۲

(انظر شاہ کشمیری)

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ⑦ قَالَ اَلْقُوْا ۚ

ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ ؑ خواہ آپ ڈالئے اور یا ہم ہی ڈالیں۔ موسیٰ ؑ نے فرمایا کہ (پہلے) تم ہی ڈالو

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۗءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ⑧

پس جب انھوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا

سحر یہ تھا

یہ موسیٰ ؑ اور جادوگروں کی مبارزت اور جنگ ہے۔ جادوگر کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ! یا تو تم پہلے اپنا ہنر بتاؤ یا ہم پہلے بتائیں۔ موسیٰ ؑ نے کہا۔ تم ہی پہلے اپنا شگوفہ چھوڑو۔ موسیٰ ؑ کی اس میں مصلحت یہ تھی تاکہ لوگ پہلے ان جادوگروں کا تماشا دیکھ لیں اور سوچ سمجھ لیں اور جادوگر اپنی شعبدہ کاری سے فارغ ہو لیں تو حق بات طلب اور انتظار کے بعد واضح اور جلی ہو کر ان کے سامنے آجائے کیونکہ کوئی بات طلب کے بعد ہی دل پذیر زیادہ کارگر ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب اللہ پاک فرماتا ہے کہ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور یوں دکھائی دینے لگا کہ جو کچھ یہ دکھا رہے ہیں حقیقت میں ایسا ہی وجود پذیر ہو رہا ہے حالانکہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں درحقیقت لاٹھیاں ہی تھیں۔ دیکھنے والوں کا فقط وہم و خیال تھا کہ یہ سانپ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "ان کے جادو سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ چلتے اور رینگتے ہیں۔ یہ دیکھ کر موسیٰ ؑ پر دہشت طاری ہو گئی تھی ہم نے کہا ڈرو نہیں غالب تم ہی رہو گے۔ اپنے ہاتھ کا عصا تم بھی میدان میں پھینک دو! یہ اژدہا بن کر ان سب سانپوں کو نگل جائے گا۔ یہ جادو تو ان کا فریب ہے۔ جادوگر اپنے تماشے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ پندرہ ہزار جادوگروں کی صف بندی تھی ہر ساحر کے ساتھ اسکی رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ موسیٰ ؑ اپنے بھائی کو لیکر عصا ٹیکتے ہوئے نکلے۔ میدان میں آئے۔ فرعون اپنے تخت پر ارکان سلطنت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جادوگروں نے سب سے پہلے موسیٰ ؑ کی آنکھوں پر اپنے جادو سے بندش کر دی۔ پھر فرعون اور لوگوں کی آنکھوں پر۔ اب ہر جادوگر نے اپنی رسی اور لاٹھی ڈالی۔ وہ سب سانپ بن گئے، سارا میدان سانپوں سے بھر گیا۔ ایک پر ایک رینگ رہے تھے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ تیس ہزار سے زیادہ جادوگر تھے۔ سب کے ساتھ لاٹھی اور عصا تھا۔ عوام کی بھی نظر بندی ہو گئی تو یہ منظر دیکھ کر سب ڈر گئے۔ ابن ابی بردہ کہتے ہیں کہ فرعون نے ستر ہزار جادوگر جلائے تھے، ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں سانپ بنے ہوئے رینگ رہے تھے۔ اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ وَجَاۗءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۔ یعنی انھوں نے بہت بڑا جادو بنایا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ⑨ فَوَقَعَ الْحَقُّ

اور ہم نے موسیٰ ؑ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے (اژدہا بن کر) ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا۔ پس

وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑩ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ⑪ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ

اور انھوں نے جو کچھ بنایا دنایا تھا سب آتا جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے اور وہ جو ساحر تھے

سٰجِدِيْنَ ⑫ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑬ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ⑭

سجدہ میں گر گئے (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔ جو موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ کا بھی رب ہے

ف یہ بشریت کا نتیجہ تھا اور عوام پر ظاہر کرنا تھا کہ موسیٰ ؑ خود انہیں میں بلکہ انسان ہیں ہاں نبی ضرور ہیں ۱۲ انظر شاہ ف اس تعداد کی کوئی سند نہیں ہے ۱۲ ف نبی پر جادو اثر کرتا ہے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر ہوا اور آپ پر اس کا اثر بھی رہا پس اگر موسیٰ علیہ السلام پر نظر بندی کارگر ہو گئی ہو تو اس میں کوئی تعجب نہیں ۱۲ انظر شاہ کشمیری ۔

حق کی فتح، باطل کی شکست

اللہ تعالیٰ نے اس زبردست آزمائش گاہ میں موسیٰ ؑ کو اپنی وحی بھیجی جس نے حق و باطل میں امتیاز کر دیا۔ موسیٰ ؑ نے بھی اپنا عصا ڈال دیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ان تمام سانپوں کو نگلا جا رہا ہے اور ایک بھی ان کا چھوٹا سا سانپ نہ بچا۔ یہ دیکھ کر اُن جادوگروں نے جان لیا کہ یہ جادو نہیں کوئی آسمانی مدد ہے خدا کے کام ہیں۔ چنانچہ سب کے سب خدا کے آگے سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ موسیٰ ؑ نے جب کامیابی حاصل کر لی تو اپنے عصا پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر عصا بن گیا۔ جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ اگر یہ نبی نہ ہوتا اور جادوگر ہوتا تو کبھی ہم پر غالب آ ہی نہیں سکتا۔ قاسم بن ابی برہ کہتے ہیں کہ جادوگروں نے اپنا سر سجدے سے اُٹھانے سے پہلے ہی جنت اور دوزخ کو دیکھ لیا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنتُم بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ

فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بدون اس کے کہ میں اجازت دوں بیشک یہ ایک کارروائی تھی جس پر تمہارا عملدر آمد ہوا ہے اس شہر میں

لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۱۵ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم

تاکہ تم اس شہر کو وہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو بہتر ہے اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے

۱۳ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۶ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ۝۱۷ وَمَا تَنقِمُ

پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ (کچھ پرواہ نہیں) ہم مر کر اپنے مالک کے پاس ہی جاویں گے۔ اور تو ہم میں کونسا عیب

ع ۱۸ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝۱۸

دیکھتا بجز اسکے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے جب وہ احکام ہمارے پاس آئے اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکالئے۔

ایمان کے بعد صرف خدا تعالیٰ ہی کا ڈر

جادوگر جب ایمان لا چکے اور فرعون کو اپنے مقصد میں شکست ہو گئی تو جادوگروں کو دھمکی دے رہا ہے کہ آج موسیٰ کو جو تم پر غلبہ ملا ہے در اصل یہ تم لوگوں کا باہمی سمجھوتہ اور سازش تھی کہ اس طرح حکومت پر غالب آ کر حقیقی اہلِ وطن کو ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے ہو۔ یقیناً یہ تم سب کا استاد تھا جس نے تمھیں جادو سکھایا تھا۔ ہر شخص جس کو ذرا بھی عقلِ سلیم ہے سمجھ جائے گا کہ فرعون کا یہ الزام اس بنا پر تھا کہ باطل کے باطل ثابت ہو جانے کی وجہ سے وہ جز بز ہو گیا تھا۔ موسیٰ ؑ نے تو مدین سے آتے ہی فرعون کے پاس پہنچ کر اس کو اسلام کی دعوت دی تھی اور اپنے معجزاتِ باہرہ ظاہر کر کے رسول ہونے کی تصدیق کر دی تھی۔ اس کے بعد فرعون نے اپنے ملک کے تمام شہروں اور ہمہ گیر علاقہ میں لوگوں کو بھیج بھیج کر بلادِ مصر کے الگ الگ ساحروں کو جمع کیا تھا جن کو اس نے اور اُس کی قوم نے منتخب قرار دیا تھا اور ان سے بہترین انعام و اکرام کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس لئے انھیں اس بات کی بڑی کوشش تھی کہ کسی طرح موسیٰ پر غالب آ جائیں اور فرعون کے پاس تقرب حاصل کریں۔ موسیٰ ؑ تو کسی بھی جادوگر سے واقف نہیں تھے؛ نہ انھیں کبھی دیکھا تھا، نہ ان سے ملے تھے اور فرعون اس بات کو بھی جانتا ہی تھا مگر جاہل عوام کی ذہنیت کو متاثر ہونے سے بچانا چاہتا تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرعون کی قوم اس کی مطیع تھی اور اس کے ہمخیال بنی ہوئی تھی اور وہ لوگ بڑی زبردست گمراہی میں پڑے ہوئے تھے جو فرعون کے اَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ والے دعوے کی تصدیق کرتے تھے۔ سدی کہتے ہیں کہ موسیٰ ؑ کی ملاقات جادوگروں کے سردار سے ہوئی تو موسیٰ ؑ نے اس سے کہا تھا کہ اگر میں غالب آ جاؤں، اور تم ہار جاؤ تو کیا مجھ پر ایمان لاؤ گے اور کیا یہ تسلیم کر لو گے کہ میری پیش کردہ چیز خدا کا معجزہ ہو گی؟ تو ساحر نے کہا تھا کہ کل میں ایسا جادو پیش کروں گا کہ کوئی جادوگر اُس پر غالب نہیں آ سکتا۔ اگر تم غالب آ گئے تو میں مان لوں گا کہ تم منجانب اللہ پیغمبر ہو۔ فرعون نے ان کی یہ گفتگو سن لی۔

اسی لئے سازش کا الزام لگایا تھا کہ تم اس لئے جمع ہوئے تھے کہ حکومت پر تمہیں غلبہ وسطوت حاصل ہو جائے تم ملک سے اکابر و روساء کو نکال دینا چاہتے ہو اور تخت پر خود قابض ہونے کے درپے ہو۔ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ میں تمہیں کیا سزا دینے والا ہوں۔ سمجھے رہو کہ میں تمہارا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دوں گا یا اس کے برعکس۔ پھر تم سب کو پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ تمہاری لاشیں درختوں کی ٹہنیوں سے بندھی اور لٹکی ہوں گی۔ ابن عباس رض کہتے ہیں کہ پھانسی اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کی تعزیر سب سے پہلے فرعون ہی کی ایجاد کی ہوئی ہے۔ جادوگر کہتے ہیں کہ ہم تو اب خدا کے ہو چکے اس کی طرف رجوع کر چکے۔ آج تم ہمیں جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو اس سے شدید تر خدا کا عذاب ہے۔ ہم تمہارے عذاب پر آج صبر کر لیتے ہیں تاکہ کل خدا کے عذاب سے ہمیں چھٹی مل سکے۔ اسی لئے وہ بول اٹھے کہ اے خدا! اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کے لئے اور فرعون کے عذاب سے نہ ڈرنے کے لئے ہمیں صبر عنایت فرما اور اپنے نبی موسیٰ ؑ کی اتباع میں ہمیں دنیا سے مسلمان اٹھا۔ چنانچہ فرعون سے صاف صاف کہہ دیا کہ تو ہمارا جو کچھ بگاڑنا چاہتا ہے بگاڑ لے۔ تو صرف یہی کر سکتا ہے کہ ہماری اس دنیوی زندگی کو ختم کر دے گا۔ ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارا سچا رب ہے۔ تاکہ وہ ہماری گزشتہ خطاؤں کو معاف کر دے اور جادو پیش کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے اس سے درگزر فرمائے۔ کیونکہ جو شخص خدا کے پاس کافر بن کر حاضر ہوگا اس کی قسمت میں جہنم ہوگی کہ نہ زندوں میں شمار نہ مردوں میں۔ اور جو مؤمن اور پھر نیکوکار بن کر حاضر ہوگا۔ اس کو آخرت میں بڑے بڑے درجے ملیں گے۔ چنانچہ یہ سب جادوگر صبح کے وقت تو کافر جادوگر تھے اور شام کے وقت نیکوکار اور شہدا تھے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ ؑ کو اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو

وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱﴾

ترک کئے رہیں فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ

موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو (گھبراؤ مت) یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہیں

يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۲﴾ قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ

مالک (وحاکم) بنا دیں اپنے بندوں میں سے۔ اور اخیر کامیابی ان ہی کو ہوتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف

مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۳﴾

بعد بھی۔ موسیٰ ؑ نے فرمایا بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیں گے پھر تمہارا طرز عمل دیکھیں گے۔

فراعنہ کی حرکت مذبوحی

فرعون اور اس کی جماعت کے باہمی مشوروں کی خبر دی جا رہی ہے کہ موسیٰ ؑ کے لئے ان لوگوں کے دلوں میں کیسا کینہ تھا۔ فرعون سے اس کے مقربین کہہ رہے ہیں کہ کیا آپ موسیٰ کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ دنیا میں فساد مچاتا پھرے اور اہل ملک کو فتنے میں ڈالے اور ان میں اپنے خدا کی تبلیغ کرے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے یہ لوگ تو دوسروں کو موسیٰ اور مؤمنین کی فساد انگیزی سے ڈرا رہے ہیں حالانکہ یہی لوگ مفسد ہیں۔ انھیں آپ اپنی خبر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ویذرک والھتک کا واو "اور" کے معنی میں نہیں بلکہ حال کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کیا آپ موسیٰ ؑ کو اجازت دیدیں گے کہ فساد مچاتا پھرے درانحالیکہ اس نے آپ کی اطاعت اور آپ کے خداؤں کی عبادت چھوڑ دی ہے۔ ابی بن کعب نے اس کو اس طرح پڑھا

ہے وَقَدْ تَرَكُوكَ أَنْ يَعْبُدُوكَ وَآلِهَتَكَ - یہ ابن جریر کا بیان ہے۔ بعض نے اس واؤ کو عاطفہ کہا ہے یعنی کیا آپ اُسے چھوڑ دیں گے کہ فساد مچائے اور آپ کو اور آپ کے خداؤں کو چھوڑ دے اور بعض نے اس کو اِلٰهَتَكَ پڑھا ہے بمعنائے عبادتک بنا بر قرأت اُولیٰ بعض اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فرعون بھی پوشیدہ طور پر ایک بُت کی پرستش کرتا تھا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے گلے میں ایک مورتی لٹکی ہوئی تھی کہ اُس کو سجدہ کرتا تھا۔ اسی بنا پر ابن عباس رض کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب کسی خوبصورت گائے کو پاتے تھے تو فرعون انھیں حکم دیتا تھا کہ اس کی پرستش کریں۔ اسی لئے سامری نے ایک گوسالہ بنایا تھا جس کے اندر سے آواز نکلتی تھی۔ غرض یہ کہ فرعون نے اپنے اہلِ دربار کی درخواست منظور کرلی اور کہا کہ ان کی نسل کو قطع کرنے کے لئے ہم ان کے بیٹوں کو قتل کردیا کریں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ اس قسم کا یہ دوسرا ظلم تھا اور اس سے پہلے بھی پیدائشِ موسیٰ ع سے قبل اس نے ایسا ہی کیا تھا تاکہ موسیٰ ع کا وجود ہی دنیا میں نہ آنے پائے۔ اور واقع ہوا اس کے برخلاف۔ جو فرعون چاہتا تھا کہ موسیٰ ع آخر کار زندہ بچ رہے۔ دوبارہ اس نے ایسا ہی قصد کیا جب کہ بنی اسرائیل کو ذلیل کرنا اور اُن پر غالب آنا چاہتا تھا۔ یہاں بھی اس کی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ع کو عزت دی اور فرعون کو ذلیل کیا اور اس کو اور اس کے لشکر کو غرق کردیا۔ جب فرعون بنی اسرائیل کے ساتھ بُرائی کرنے کا عزمِ مصمم کرچکا تو موسیٰ ع نے اپنی قوم سے کہا کہ صبر کرو اور اللہ ہی سے مدد مانگو۔ موسیٰ ع نے اُن سے حُسنِ عاقبت کا وعدہ کیا اور یہ کہ ملک تمھارا ہوجائے گا۔ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جس کو چاہے ملک کی بادشاہت سونپے اور حُسنِ عاقبت متقین ہی کے لئے ہے۔ موسیٰ ع کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کو ذلیل کیا جارہا ہے۔ موسیٰ ع انھیں حالتِ موجودہ پر اور پیش آنے والے حالات پر متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بہت قریب میں اللہ پاک تمھارے دشمن کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اس آیت کے ذریعہ انھیں نعمتوں پر شکر گذاری کے لئے اُبھارا جارہا ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ①

اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا　قحط سالی میں　اور پھلوں کی کم پیداواری میں　تاکہ وہ (حق بات کو)　سمجھ جاویں

فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَ

سو جب اُن پر خوش حالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی　تو موسیٰ ع　اور

مَن مَّعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ②

ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے　یاد رکھو　ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔

کفر کی نحوست

ہم نے آلِ فرعون کو قحط میں مبتلا کرکے آزمانا چاہا۔ اُن کی کھیتیوں میں غلہ نہیں ہوا، درختوں میں پھل نہیں آئے، درختِ خرما میں ایک ہی کھجور لگتی تھی۔ تاکہ وہ کچھ عبرت حاصل کریں۔ جب یہ خوب سرسبز رہتے تھے، غلہ خوب ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو اس کے مستحق ہی تھے۔ یہ ہمارا اپنا حق ہے کیسے نہ شاد کام ہوتے۔ اور اگر قحط ہوجاتا بھوکوں مرنے لگتے تو کہتے کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ حالانکہ یہ نحوست تو خود ان کی اپنی قسمت کی بات ہے۔ ابن عباس لفظ طائر سے مصائب مُراد لیتے ہیں۔ نحوست کے اس اصلی سبب کو لوگ سمجھتے نہیں۔ ابن عباس رض عِندَ اللهِ سے مِن قِبَلِ اللهِ مراد لیتے ہیں۔ یعنی منجانب اللہ۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ③ فَأَرْسَلْنَا

اور یوں کہتے (خواہ) کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمھاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ پھر ہم نے

عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا

ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے سو وہ تکبر کرتے رہے

وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے

بِمَا عَهِدَ عِندَكَ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي

جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آویں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے

إِسْرَائِيلَ ﴿١٣٤﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿١٣٥﴾

ہمراہ کر دیں گے پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک وقت خاص تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے

عذاب الٰہی کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ

قوم فرعون کے تمرد اور سرکشی کی خبر دی جا رہی ہے کہ انھیں کیسا حق سے عناد اور باطل پر اصرار تھا کہ وہ یہ بھی کہنے لگے کہ اگر موسیٰ کوئی نشانی بتائے کہ جس کے ذریعہ ہم پر سحر کر دے تو بھی ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہم نہ اس کی دلیل کو قبول کریں گے، نہ اس پر، نہ اس کے معجزے پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ "ہم نے ان پر طوفان بھیجا" طوفان کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں "کثرت بارش جو غرق کر دے یا کھیتوں اور باغات کو نقصان پہنچائے یا یہ کہ وبائے عام"۔ مجاہد کہتے ہیں۔ سیلاب اور طاعون۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طوفان یعنی موت۔ ایک دوسری روایت میں ہے "خدا کا ناگہانی اور آسمانی عذاب"۔ جیسا کہ فرمایا فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ۔ یعنی خدا کا ناگہانی عذاب ان کے سوتے ہوتے انھیں آ پہنچا۔ جراد یعنی ٹڈی جو ایک مشہور پرندہ ہے جس کا کھانا حلال ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہے ہیں اور ہر وقت جراد کھانے کا موقع ملا۔ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو میتت اور دو دم ہمارے لئے حلال ہیں ایک مچھلی اور دوسری جراد کہ یہ مری ہوئی بھی ہوں تو جائز ہیں۔ اور خون میں دو منجمد خون۔ یعنی تلی اور کلیجی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اکثر جانور درحقیقت خدا کا لشکر ہیں جن کو نہ میں کھاتا ہوں نہ دوسروں کے لئے حرام کہتا ہوں بلکہ وہ حلال ہیں اگرچہ میں نہ کھاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کھانے کا سبب یہ ہے کہ آپ کو پسند نہیں تھا جیسے جانور گوہ کہ آپ کو اس کا کھانا پسند نہیں تھا۔ لیکن دوسروں کو اجازت دے رکھی تھی۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹڈی اور گوہ اور گردے نہیں کھاتے تھے۔ مگر یہ کہ اس کو حرام نہیں کہا۔ ٹڈی سے اس لئے اجتناب تھا کہ وہ خدا کا ایک عذاب ہے۔ جس طرف ٹڈی دل گذر جاتا ہے کھیت کے کھیت برباد ہو جاتے ہیں۔ گردے اور مثانوں سے اس لئے اجتناب تھا کہ یہ پیشاب سے قریب کے اجزاء ہیں۔ اور گوہ اس لئے کہ غالباً یہ کوئی مسخ شدہ امت ہے۔ پھر ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ روایت بھی غریب ہے۔ میں نے اس لئے اس کو نقل کیا ہے کہ اس سے اس کے اجتناب کے وجوہ پر روشنی پڑے۔ امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ جراد کو بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ حضرت عمرؓ سے جراد کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ حلال ہے؟ تو فرمایا۔ کاش دو ایک لپیں دو ایک ٹڈیاں مل جاتیں تو ہم بڑے مزے سے کھاتے۔ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ازواج النبی رضی اللہ عنہما طباق بھر بھر کر جراد تحفہ کے طور پر بھیجا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریم بنت عمران علیہا السلام نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھے ایسا گوشت کھلا جس میں خون نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جراد کھلائی۔ تو مریم نے کہا اے خدا!

ف گوہ کو کھانا مکروہ ہے ١٢

پرورش کے بغیر بھی اس کو زندگی دے اور بغیر آواز اور شور کے اس کو ایک دوسرے کے پیچھے رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جراد کو نہ مارو کہ یہ
خدا کا ایک زبردست لشکر ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ فَاَرْسَلْنَا والی آیت کے بارے میں مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ عذاب اس لئے ہیں کہ گذشتہ
زمانے میں یہ دروازوں کی کیلیں کھا جاتے تھے اور لکڑی چھوڑ دیتے ہیں۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ میں جنگل کی طرف نکلا تھا کہ ناگہاں ایک ٹڈی دَل دیکھا
کہ زمین و آسمان پر چھایا ہوا ہے۔ اور ایک آدمی اس ٹڈی دَل کے اندر ہے اور وہ مسلح ہے اور جس طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے اور دھکیلتا
ہے تو ٹڈیاں ہٹ جاتی ہیں اور وہ بار بار کہتا جاتا ہے کہ دنیا اور مافیہا سب باطل ہیں باطل ہیں۔ قاضی شریح سے جراد کے بارے میں پوچھا گیا تو
کہا۔ خدا اسے برباد کرے اس میں سات طاقتوروں کی شان ہے۔ اس کا سر تو سر ہے گھوڑے کا، گردن ہے بیل کی، سینہ ہے شیر کا، بازو
ہیں گدھ کے، پاؤں ہیں اونٹ کے، دُم ہے سانپ کی اور پیٹ کژدم کا پیٹ ہے۔ قولہ تعالیٰ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا
لَّكُمْ الخ کے ذکر کے وقت یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرے کے لئے جا رہے تھے کہ ہمیں
ایک ٹڈی دَل سے سامنا ہوا۔ ہم اسے لکڑیوں سے دھکیلتے اور مار رہے تھے حالانکہ ہم حالتِ احرام میں تھے۔ ہم نے یہ بات حضور صلی
اللہ علیہ وسلم سے کہی تو آپ نے فرمایا کہ بحالتِ احرام صیدِ بحر کی ممانعت نہیں۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جراد
کے لئے یوں بد دعا کی تھی کہ "الٰہی! چھوٹے بڑے سب جراد کو ہلاک کر دے، ان کے انڈوں کو تباہ کر، ان کی نسل کو قطع کر دے اور ہمارا چھینا ہوا رزق ان
کے منہ سے لے لے"۔ تو جابر نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ تو خدا کا ایک لشکر ہے آپ اس کو قطعِ نسل کی بد دعا دے رہے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ سمندر کی مچھلیوں
سے پیدا ہوتے ہیں۔ زیادؒ نے خبر دی ہے کہ جس شخص نے مچھلیوں سے پیدا ہوتے ہوئے انھیں دیکھا ہے اُس کا بیان ہے کہ مچھلی جب ساحل
بحر کے قریب انڈے دیتی ہے اور ساحلی پانی سوکھ جاتا ہے، دھوپ چمکتی ہے تو انڈوں میں سے یہ جراد نکل کر اُڑنے لگتے ہیں۔ قولہ
اِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ کے تحت ہم نے یہ حدیث بیان کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے چھ سو سمندری ہے اور چار سو خشکی
والی۔ اور جلدی ہلاک ہونے والی مخلوق جراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنگ میں ہلاک شدہ لوگوں کے سامنے وبا بھی کوئی چیز نہیں
اور جراد کے مقابلے میں لکڑی کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ قُمَّل کے بارے میں ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ وہ گیہوں کے
اندر کے کیڑے ہیں۔ یا یہ کہ وہ چھوٹے چھوٹے جراد ہیں جن کے پر نہیں ہوتے اور اُڑتے نہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ قُمّل چھوٹے سیاہ
رنگ کے کیڑے ہیں یا چچڑوں کو کہتے ہیں۔ یا وہ ایک ایسا کیڑا ہے جو اونٹوں کو چمٹی رہنے والی چیچڑیوں کے مشابہ ہے۔ روایت ہے کہ
جب موسیٰ ؑ نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دو۔ تو اس وقت خدا کی طرف سے طوفان آیا ہوا تھا وہ بارش تھی کہ
موسلا دھار برس رہی تھی۔ فرعونی سمجھ گئے تھے کہ یہ خدا کا عذاب ہے۔ کہنے لگے۔ اے موسیٰ! خدا سے دعا کر کے اس بارش کو بند
کرا دیجئے۔ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ کر دیں گے۔ موسیٰ ؑ نے دعا کی لیکن نہ وہ ایمان لائے نہ
بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔ اس سال بارش کی وجہ سے خوب کھیتی ہوئی، غلہ اور پھل خوب پیدا ہوئے، سبزیاں اُگیں۔ لوگوں نے کہا بس ہماری
یہی آرزو تھی۔ لیکن ایمان نہ لانے کے سبب جراد ان پر مسلط کر دیئے گئے، وہ سب کھیت کھا گئے، سبزیاں تباہ کر دیں۔ سمجھ گئے کہ اب
کوئی فصل باقی نہیں رہے گی۔ موسیٰ ؑ سے کہا کہ اس عذاب کو ہٹا دیجئے۔ ہم ایمان لائیں گے۔ موسیٰ ؑ کی دعا سے جراد ختم ہو گئے۔ لیکن
پھر بھی ایمان نہ لائے اور غلہ گھروں میں خوب جمع کر کے رکھ لیا اور کہنے لگے کہ اب کیا ڈر ہے غلہ ڈھیروں جمع کیا ہوا موجود ہے کہ یکایک
کرجہائے گندم کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اگر کوئی پسوانے کے لئے دس جریب پیمانے غلہ لے کر نکلتا تو پسنے تک تین جریب غلہ بھی نہ رہتا۔
پھر موسیٰ ؑ سے درخواست کی کہ یہ "قُمّل" کا عذاب دور کر دو ہم آپ کی بات مانیں گے۔ لیکن عذاب دور ہونے کے بعد پھر بھی سرکشی کی۔ ایک وقت
موسیٰ ؑ فرعون سے مل رہے تھے کہ مینڈک کی ٹرٹر شروع ہو گئی۔ آپ نے فرعون سے کہا کہ تم پر اور تمہاری قوم پر یہ کیا عذاب ہے؟ اس نے کہا اس
سے تو کوئی اندیشہ کی بات نہیں۔ لیکن شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لوگوں کے سارے جسم پر مینڈک کودنے لگے۔ کوئی بات کرنے کے لئے منہ

؎ بے حد ضعیف اور کمزور روایت ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

کھولتا اور مینڈک کود کر منہ میں ہو جاتا۔ پھر موسیٰؑ سے درخواست کی۔ اور عذاب دور ہونے پر ایمان نہ لائے۔ اب کے خون کا عذاب نازل ہوا نہروں اور باؤلیوں سے پانی لاتے ہیں تو خون بن جاتا ہے برتنوں میں پانی رکھتے ہیں تو خون ہو جاتا ہے۔ فرعون سے لوگوں نے شکایت کی کہ خون کے عذاب میں ہم مبتلا ہیں۔ پینے کو پانی نہیں ملتا۔ فرعون نے کہا۔ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ کس نے جادو کیا ہوگا؟ ہمارے برتنوں میں خون ہی خون بھرا ہوا ہے۔ پھر موسیٰؑ کے پاس آکر درخواست کی اور وعدے کئے۔ لیکن اب بھی ایمان نہ لائے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب جادوگر ایمان لائے اور فرعون مغلوب اور ناکام واپس ہوا تو پھر بھی سرکشی اور کفر سے باز نہ آیا تو پے در پے اس پر پریشانیوں کا ظہور رہا۔ قحط سے سابقہ پڑا، بارش کا طوفان آیا، پھر جراد کا عذاب، پھر جوں اور کیڑوں کا، پھر مینڈک اور خون۔ یہ مسلسل نشانیاں ظاہر ہوئیں، طوفان آیا، ساری زمین دلدل ہو گئی، نہ ہل چلا سکتے تھے، نہ کچھ بو سکتے تھے، بھوک سے تڑپنے لگے موسیٰؑ سے درخواست کی کہ عذاب کھل جائے لیکن ایمان لانے کے وعدہ کو پورا نہ کیا۔ پھر جراد کا عذاب آیا جو ساری کھیتی کھا گئے، دروازوں کی کیلیں چاٹ گئے جس کی وجہ سے ان کے گھر گر پڑے، پھر جوں کا عذاب آیا۔ موسیٰؑ نے کہا کہ اس ٹیلے کی طرف آؤ۔ پھر حضرت موسیٰؑ نے بحکم خدا ایک پتھر پر لکڑی ماری جس سے بے شمار چیچڑیاں نکل پڑیں، گھروں میں ہر جگہ پھیل گئیں، غذا کو چٹنے لگیں، نہ سو سکتے تھے، نہ قرار لے سکتے تھے، پھر مینڈک کا عذاب آیا، کھانوں میں مینڈک، برتنوں میں مینڈک، کپڑوں میں مینڈک۔ پھر خون کا عذاب آیا۔ پانی کے ہر برتن میں پانی کے بجائے خون ہی خون۔ غرض مختلف عذابوں سے دوچار ہونا پڑا۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینڈک کو نہ مارا کرو کیونکہ مینڈک کا عذاب جب قوم فرعون پر بھیجا گیا تھا تو ایک مینڈک آگ کے ایک تنور میں خدا کی خوشنودی کی خاطر گر پڑا تھا۔ چنانچہ مینڈکوں کا مسکن اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈی چیز بنائی۔ یعنی پانی کا مقام۔ اور ان کی آواز کو تسبیح قرار دیا۔ زید بن اسلم "دم" کے عذاب سے نکسیر پھوٹنے کا عذاب مراد لیتے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۷﴾

پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ

اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اس سرزمین کے پورب پچھم کا مالک بنا دیا

بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ

جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔ اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔

وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۸﴾

اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا۔

آخری عذاب اور فرعون کی ہلاکت

قوم فرعون کو باوجودیکہ متواتر نشانیاں بتائی گئیں اور یکے بعد دیگرے انھیں کئی عذاب دیئے گئے۔ لیکن ان کی سرکشی دور نہ ہوئی۔ تو انھیں دریا میں ڈبو دیا گیا جس میں موسیٰؑ کے لئے راستہ بنا دیا گیا وہ اس میں اتر پڑے اور اس کو پار کر گئے۔ بنی اسرائیل بھی ان کے ساتھ تھے۔ پھر فرعون اور اس کا لشکر بھی ان کے تعاقب میں ان کے پیچھے اترا۔ جب وہ بیچ دریا میں ہو گئے تو پانی مل گیا اور وہ ڈوب گئے۔ یہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرنے اور اس سے غفلت برتنے کا نتیجہ تھا۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ پھر خدا نے فرعون کی تمام سرزمین کو بنی اسرائیل کے سپرد کر دیا۔ حالانکہ بنی اسرائیل کو نہایت ضعیف سمجھا جاتا تھا۔ جو کمزور بنے ہوئے زندگی غلامی میں گذار رہے تھے۔

جیسا کہ فرمایا "ہم چاہتے ہیں کہ اس قوم پر احسان کریں جو دنیا میں کمزور سمجھی جاتی ہے۔ ہم ان کو بادشاہ اور سردار بنانا چاہتے ہیں انھیں اپنی زمین کا وارث قرار دیں گے اور جس عذاب سے فرعون اور ہامان اور قوم فرعون کو اندیشہ تھا وہی ان پر عذاب نازل کریں گے"۔ اور فرمایا کہ وہ کیسے کیسے باغات کھیتیاں اور بہترین مقامات چھوڑ کر تباہ ہو گئے جس میں وہ بڑے مزے سے گذار رہے تھے۔ ہم اگر چاہتے ہیں تو اسی طرح کسی دوسری قوم کو سردار اور بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ حسن بصریؒ اور قتادہؒ "مشرق و مغرب سے ملک شام مراد لیتے ہیں۔ خدا کی مبارک بات بنی اسرائیل کے حق میں پوری ہوئی۔ کیونکہ انھوں نے مصیبتوں پر صبر کیا تھا۔ اور خدا کی وہ بات اور وعدہ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ہے وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ۔ یعنی فرعون اور اس کی قوم نے جو عمارتیں اور باغات بنا رکھے تھے اور محل کھڑے کئے ہوئے تھے سب ہم نے تباہ کر دیئے اور اجاڑ دیئے۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گذر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے

لَهُمْ ۚ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ

بیٹھے تھے کہنے لگے اے موسیٰؑ ہمارے لئے بھی ایک (مجسم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے کہ ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں

تَجْهَلُونَ ⑨ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑩

بڑی جہالت ہے یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ (منجانب اللہ بھی) تباہ کیا جاوے گا اور (فی نفسہ بھی) ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔

صدیوں کا کفر و شرک پھر رنگ لایا

بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں کا مطالبہ بیان کیا جا رہا ہے کہ موسیٰؑ نے جب دریا کو پار کر لیا اور اللہ کی یہ عظیم نشانی وہ دیکھ چکے تو اُن کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جو بتوں کو لئے بیٹھی تھی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کنعانی تھے یا قبیلہ لخم کے تھے۔ گائے کے جیسے جانور کا بت بنا رکھا تھا۔ اسی لئے بعد میں اسی کے مشابہ ایک گوسالہ کی پرستش میں وہ مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ "اے موسیٰ! ہمارے لئے ایک خدا بنا دو جیسے کہ ان لوگوں کے خدا ہیں۔" موسیٰؑ نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو خدا کی عظمت کو بھول بیٹھے ہو۔ وہ تو ایسی باتوں سے منزہ ہے کہ کوئی اس کا شریک و مثیل ہو سکے۔ ان کا مذہب بھی باطل ہے اور اُن کا عمل بھی باطل ہے۔ بعض صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے سے حنین کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں کفار کا ایک درخت بیری تھا۔ جس پر وہ دھرنا جمائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنے ہتھیار اس درخت پر باندھ رکھے تھے اس درخت کی عظمت کرتے تھے۔ اس درخت کو کہا جاتا تھا "ذات انواط"۔ جب ہم اس درخت کے پاس پہنچے جو بہت سرسبز اور عظیم الشان تھا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی قرار دیجئے۔ جیسا کہ ان لوگوں کا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم تم نے تو وہ بات کہی جو موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہی تھی کہ موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دیجئے جیسا ان لوگوں کا ہے۔ تو موسیٰؑ نے کہا تھا تم بڑے ہی جاہل ہو۔ ان کا طریق اور ان کے اعمال سب جھوٹے اور باطل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی انھیں کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہو۔

قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ⑪ وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ

اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو

مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ

فرعون والوں (کے ظلم و ایذا) سے بچا لیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کر ڈالتے تھے

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾

اور تمہاری عورتوں کو (اپنی بیگار اور خدمت کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس (واقعہ) میں بڑی بھاری آزمائش تھی۔

شکر کے بجائے کفرانِ نعمت

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اللہ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں کہ جس اللہ نے تمہیں فرعون کی قید سے اور غلبہ سے نجات دی اور رسوائی و ذلت سے چھٹکارا دیا۔ یہاں اوج عزت عطا کی۔ تمہارے دشمنوں کو تمہارے سامنے برباد کیا۔ اس کے سوا اور کون قابلِ عبادت ہے۔ اس کی پوری تفصیل سورۂ بقرہ میں گذرچکی ہے۔

وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس۳۰ شب کا وعدہ کیا اور دس۱۰ شب کو ان تیس۳۰ راتوں کا تتمہ بنایا سو اُن کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا اور موسیٰ ؑ نے

مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱﴾

اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم کی رائے پر عمل مت کرنا

عظیم الشان انعام

بنی اسرائیل پر احسانات کا ذکر کیا جارہا ہے کہ تم کو ہدایت حاصل ہوئی۔ موسیٰ ؑ نے خدا سے کلام کیا۔ اس نے توریت دی جس میں احکام ہیں اور شرع کی تمام تفصیلی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ؑ سے تیس۳۰ راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ موسیٰ ؑ نے ان دنوں روزہ رکھا تھا۔ جب یہ تیس۳۰ دن تمام ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مزید حکم دیا کہ چالیس۴۰ دن کی تکمیل کریں۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ تیس۳۰ دن ذیقعدہ اور دس۱۰ دن ذوالحجہ کے تھے۔ اس طرح عید کے دن تک چالیس۴۰ دن کا تکملہ ہوا۔ اس کے بعد موسیٰ ؑ سے اللہ نے کلام فرمایا اور اسی دن دینِ محمدی بھی کامل ہوا۔ جیساکہ فرمایا۔ آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اپنی نعمت تم پر پوری اُتار دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام اختیار کیا۔ غرض یہ کہ جب میعاد پوری ہوگئی اور موسیٰ ؑ طور کی طرف گئے جیساکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ "اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو دشمنوں سے نجات دی اور طور کی سیدھی طرف بلایا تھا۔ اب موسیٰ ؑ نے جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنایا اور حالات کو بہترین رکھنے کی وصیت کی تاکہ فسادات نہ پیدا ہوں۔ یہ بات بطورِ تنبیہ و تذکیر کہی ہے ورنہ ہارون ؑ خود نبی سے اور وجاہت و جلالت والے نبی تھے۔ والصلوٰۃ علیٰ سائر الانبیاء۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي

اور جب موسیٰ ہمارے وقت (موعود) پر آئے اور اُن کے رب نے اُن سے (بہت سی لطف و عنایت کی) باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک

وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ

لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر یہ اپنی جگہ پر قرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکو گے پس اُن کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی (تجلی نے) اُس (پہاڑ) کے

جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲﴾

پرخچے اڑا دیئے۔ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بیشک آپ کی ذات منزہ (اور صحیح) ہے میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس کو

لن ترانی

موسیٰ علیہ السلام سے متعلق خبر دی جارہی ہے کہ جب موسیٰ ؑ وعدہ گاہ پر آئے اور آپ کو اللہ پاک سے تکلم کا شرف حاصل ہوا تو یہ بھی درخواست کی کہ اے خدا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں مجھے دیکھنے کا موقع عنایت فرما۔ تو اللہ پاک نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ لفظ لن نے جو لن ترانی میں ہے اکثر علماء کے لئے اشکال پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے کہ لن ہمیشہ کی نفی کے لئے آیا کرتا ہے۔ اس بنا پر معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ دنیا ہو یا آخرت رویت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس بارے میں متواتر احادیث موجود ہیں کہ مومنین کو آخرت

میں خدا کا دیدار ہوگا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ اس میں مومنین کو خوش خبری دی گئی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے۔ پھر کفار کے بارے میں کہا ہے کہ وہ نہ دیکھ سکیں گے۔ جیسا کہ فرمایا۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نفی دنیا کے لئے ہے نہ کہ آخرت کے لئے اس طرح اب کلام میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے کہ آخرت میں رویت صحیح ہے اور دنیا میں نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مقام میں یہ کلام بالکل ایسا ہے جیسا کہ فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ سورۂ انعام میں اس پر کافی بحث گذر چکی ہے۔ کتب متقدمہ میں ہے کہ اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! کوئی زندہ مرنے سے پہلے مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ خشک چیزیں بھی میری تجلی سے فنا ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رب نے جب اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور موسیٰ ؑ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی کی (اس وقت آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ بھی کیا) تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ابو اسمٰعیل نے یہ کہتے ہوئے ہمیں اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی کا نام مبہم ہے بتایا نہیں گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَلَمَّا تَجَلّٰی پڑھتے وقت اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگلیاں کے اوپر کے پورے پر رکھ کر بتایا کہ اتنی سی تجلی کے سبب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حمید نے ثابت سے کہا کہ دیکھو اس طرح۔ چنانچہ ثابت نے اپنا ہاتھ حمید کے سینے پر مارا اور کہا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ انس رضؓ نے روایت کی ہے تو کیا میں اس کو چھپاؤں گا امام احمد ؒ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رب نے صرف چھنگلیا برابر تجلی کی تھی کہ پہاڑ جل اٹھا اور خاک بن گیا۔

سفیان ثوری ؒ کہتے ہیں کہ زمین میں دھنس گیا اور دھنستا جا رہا ہے اب وہ قیامت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ انس رضؓ سے روایت ہے کہ جب پہاڑوں پر تجلی ہوئی تو چھ پہاڑ اڑ گئے۔ تین مکہ میں آ کر گرے اور تین مدینہ میں۔ مدینے میں اُحد ہے، ورقان ہے، رضوی ہے۔ اور مکے میں حرا ہے، ثبیر ہے، ثور ہے۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے۔ تجلی سے پہلے کوہِ طور چکنا اور صاف تھا۔ تجلی کے بعد اس میں غار اور شگاف پڑ گئے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ قول کہ "اے موسیٰ پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ قائم رہے تو سمجھو کہ تم مجھے دیکھ سکو گے ورنہ نہیں۔ یہ اس لئے کہا کہ پہاڑ کی پیدائش اور استحکام تو انسان سے کہیں زیادہ اور اشد ہے اور جب پہاڑ پر خدا کی تجلی ہوئی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تو پہاڑ کی یہ کیفیت دیکھ کر موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے" "صعق" کے معنی غشی کے ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس رضؓ نے تفسیر کی۔ قتادہ ؒ اس کے معنی موت کے لیتے ہیں اور از روئے لغت یہ معنی بھی صحیح ہیں جیسا کہ آیت قرآن ہے کہ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ الخ یعنی صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز مر جائے گی، فنا ہو جائے گی۔ غرض یہاں قرینہ موت کا ہے اور غشی کا بھی ہے۔ غشی کا اس لئے کہ پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ فَلَمَّآ اَفَاقَ اور افاقہ تو غشی ہی سے ہوتا ہے نہ کہ موت سے۔ اس لئے غشی کے معنی لینا ہی صحیح ہے۔ افاقہ کے بعد موسیٰ ؑ کہنے لگے کہ اے خدا! تو پاک ہے تجھ پر کوئی نظر نہیں ڈال سکتا ورنہ مر جائے گا، جل جائے گا۔ میں نے رویت کی درخواست کر کے جو غلطی کی ہے اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اب مجھے اس کا یقین ہو گیا۔ اور سب سے پہلے مجھے یقین ہے۔ یہاں ایمان سے ایمان و اسلام مراد نہیں بلکہ ایمان اس بات کا کہ تیری مخلوق تجھے نہیں دیکھ سکتی۔ ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں محمد بن اسحاق ؒ کی روایت سے ایک عجیب و غریب حدیث نقل کی ہے اور غالباً انھیں یہ بات اسرائیلیات کے دفتر سے ملی ہے۔ واللہ اعلم۔ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا سے متعلق ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ کے ایک انصاری صحابی نے میرے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ اس انصاری کو بلا کر آپ نے پوچھا۔ تو اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے اس یہودی کو کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔ تو میں نے کہا۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی؟ تو اس نے کہا۔ ہاں۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے انبیاء ؑ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور جب افاقہ ہوگا تو سب سے پہلے مجھے ہوگا۔ لیکن میں دیکھوں گا کہ موسیٰ ؑ پایہ عرش کو تھامے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھ سے پہلے انھیں ہوش آئے گا یا یہ کہ وہ بیہوش ہوں گے ہی نہیں کیونکہ وہ ایک بار تجلی طور سے بیہوش ہو چکے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ انھیں بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ فرما دے گا۔ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے۔ ابو بکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ اس قصے کے فریق حضرت ابو بکر صدیق رضؓ تھے لیکن صحیحین میں یہ بات گذر چکی ہے کہ وہ انصار کا ایک آدمی تھا اور ابو بکرؓ تو انصار میں سے

نہیں تھے بلکہ جاہجو سے تھے۔ اور یہ بات کہ لا تخیرونی علی موسیٰ مثل اس حدیث کے ہے کہ لا تفضلونی علی الانبیاء ولا علی یونس بن متی۔ کہتے ہیں کہ یہ بات از روئے تواضع تھی یا یہ فرمان اس سے پہلے کا ہے کہ آپ کو اپنی فضیلت کا علم خدا کی طرف سے ہوا ہو۔ یا یہ کہ غصہ میں آ کر تعصب کی بنا پر مجھے فضیلت نہ دو۔ یا یہ کہ صرف اپنی رائے سے فضیلت قائم نہ کرو۔ واللہ اعلم۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بے ہوشی وجہ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ہوگی۔ بہت ممکن ہے کہ یہ اُس وقت کا حال ہو جب خدا تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے آئے گا تو اُس کی تجلی سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ ؑ تجلی کی برداشت نہ لا سکے۔ اسی لئے آپ کا فرمان ہے کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے افاقہ ہوگا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش نہیں ہوئے۔ ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ ؑ پر تجلی پڑی تو آپ کی نظر ایسی تیز ہو گئی کہ دس کوس کی مسافت سے تاریک رات میں بھی کسی چٹان پر چلتی ہوئی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ پھر ابو بکر رضہ نے فرمایا کہ اس لحاظ سے کوئی بعید نہیں کہ یہ خصوصیت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہو۔ کیونکہ معراج میں آپ نے تو آیات کبریٰ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تھیں۔ اس بات کے ذریعہ گویا کہ حدیث کی تصحیح ثابت ہو گئی لیکن اس کی صحت غور طلب بات ہے کیونکہ اس حدیث میں راوی غیر معروف لوگ ہیں اور ایسی باتیں جب تک عادل اور ثقہ راویوں سے منسوب نہ ہوں قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ (یہی بہت ہے کہ) میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو (اب) جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور

مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا

شکر کرو ﴿۴﴾ اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی (ضروری) نصیحت اور (احکام ضروریہ کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل

لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ

اُن کو لکھ کر دی تو اُن کو کوشش کے ساتھ (خود بھی) عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو بھی حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں میں اب بہت جلد تم لوگوں کو اُن بے حکموں کا

کلیم اللہ

موسیٰ ؑ سے خطاب ہے کہ ہم نے تم کو رسالت اور کلام کے لئے سب لوگوں میں سے چن لیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساری اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ اسی لئے تو اللہ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا۔ جن کی شریعت قیامت تک کے لئے جاری ہوگی اور آپ کے اُمتی سارے انبیاء ؑ کی اُمتوں سے زیادہ ہوں گے۔ شرف و فضل میں آپ کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ بن عمران کلیم اللہ۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ ؑ سے فرماتا ہے کہ میں نے تمھیں جو کلام اور مناجات دی ہے اُس کو لے لو اور شکر ادا کرو اور جن احکام کو برداشت کرنے کی تمھیں طاقت نہیں اس کا مطالبہ نہ کرو پھر خبر دی جاتی ہے کہ ان الواح میں ہر بات کی نصیحت اور ہر حکم کی تفصیل موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ الواح جواہر کے تھے۔ اللہ پاک نے اِس میں مواعظ اور احکام تفصیل سے لکھ دیئے تھے اور سب حلال و حرام بتا دیا گیا تھا۔ اِن الواح پر توریت لکھی ہوئی تھی۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ ؑ کو کتاب دی جس میں لوگوں کے لئے بصیرت تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ الواح توریت لکھنے سے پہلے ہی دیئے گئے تھے۔ بہر حال یہ ضرور ہے کہ یہ سوال رویت کو نامنظور کرنے کا معاوضہ تھا۔ قوت کے ساتھ لو۔ یعنی طاعت کا عزم مصمم کر کے اور اپنی قوم کو بھی حکم کرو کہ اس پر اچھی طرح عمل کریں۔ موسیٰ ؑ کے حکم کے ساتھ قوت کا لفظ ہے اور قوم موسیٰ کے ساتھ احسن کا لفظ ہے یعنی موسیٰ ؑ کو تاکید ہے کہ سب سے پہلے تم اس پر سختی سے عمل کرو۔ اور تمھاری قوم بھی احسن طریق سے عمل کرے سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ یعنی قریب ہی تم میری مخالفت کرنے والوں اور میری اطاعت سے سرتابی کرنے والوں کا انجام دیکھ لو گے کہ وہ کس طرح ہلاک اور برباد ہو جائیں گے۔ یہ بات بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی اپنے مخاطب سے کہے کہ اگر تم میرے حکم کے خلاف کرو گے تو کل میں تمھیں دیکھ لوں گا۔ یہاں خلاف کرنے والوں کو وعید اور تہدید کی جا رہی ہے اور کہا گیا ہے

کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اطاعت کرنے والوں کو فاسقوں کا ملک یعنی شام عطا کریں گے یا یہ کہ منازل قوم فرعون مراد ہیں۔ لیکن پہلی بات زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ یہ فرمان موسیٰ علیہ السلام کا بلادِ مصر کو چھوڑنے کے بعد کا ہے اور یہ دوسرا قول تو بنی اسرائیل سے خطاب ہے اور یہ گفتگو میدانِ تیہ میں داخل ہونے سے پہلے کی ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں

اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۚ وَاِنْ

دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لاویں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بناویں اور اگر

یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْھَا غٰفِلِیْنَ ⑤

گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں یہ اس سبب سے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اور اُن سے غافل رہے

١٧ ع ٦ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ؕ ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑥ ع

اور یہ لوگ جنھوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا اُن کے سب کام غارت گئے اور اُن کو وہی سزا دی جاوے گی جو کچھ یہ کرتے تھے

سیدھی راہ

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنھیں ہماری اطاعت سے انکار ہے اور جو بلاوجہ لوگوں سے غرور کرتے ہیں۔ شریعت اور احکام کے سمجھنے ہی سے محروم کر دیں گے۔ جو ہماری عظمت و وحدانیت پر دلیل قاطع ہیں، انھیں جہالت سے پالا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل کر دیا ہے جیسا کہ فرمایا۔ ہم نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو اُلٹ ہی دیا ہے۔ کیونکہ سمجھانے بجھانے پر بھی وہ ایمان لائے ہی نہیں۔ اور فرمایا کہ وہ جب ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے اُن کے دلوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا تاکہ نہیں سمجھے تو کبھی بھی نہ سمجھنے پائیں۔ بعض سلف نے کہا ہے کہ غرور کرنے والا علم اور معرفت سیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس کی تو ناک چڑھی ہوئی ہوتی ہے جس نے کچھ عرصے کے لئے علم سیکھنے کی مذلّت کو برداشت نہیں کیا اس کو ہمیشہ کے لئے علم سے محروم رہنے کی ذلّت برداشت کرنی پڑے گی اسی لئے اللہ پاک نے ان سے فہمِ قرآن کی صلاحیت چھین لی ہے اور اپنی آیات سے ان کو محروم کر دیا۔ اس آیت کا اشارہ اس اُمّت کی طرف بھی ہے۔ یہ ابنِ عیینہ کا خیال ہے۔ لیکن یہ کوئی ضرور نہیں۔ ابن عیینہ تو ہر امّت کے حق میں اس کو قرار دیتے ہیں اور اُمّتوں کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔ ارشاد ہے کہ وہ کیسی ہی آیت کیوں نہ سُنیں ایمان نہیں لاتے۔ جیسا کہ فرمایا جن لوگوں کے حق میں کلمۂ ربّ پورا ہو چکا کہ وہ راہِ راست پر نہیں آئیں گے تو وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں۔ خواہ کیسی ہی آیت کیوں نہ آئے۔ حتیٰ کہ وہ عذابِ الیم دیکھ لیں گے اور اگر راہِ ہدایت اور طریقِ نجات اُن پر ظاہر ہو جائے لیکن کبھی سیدھی راہ اختیار نہیں کریں گے اور اگر ہلاکت و گمراہی کی راہ ان کے سامنے آجائے تو فوراً اختیار کر لیں گے۔ اب ان کی اِس نادانی کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نتیجہ ہے اِس بات کا کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے، اُن پر عمل نہیں کیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنھیں ہماری آیتوں کے ماننے سے انکار ہے اور روزِ قیامت میں ہم سے سامنا ہونے کا یقین نہیں اور مرتے دم تک اپنے اسی خیال پر قائم رہے تو ایمان کے ساتھ نیک عمل نہ ہونے کے سبب یہ سارے نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور سلب کر لئے جائیں گے۔ ارشاد ہے کہ ان کے اعمال کی یہی جزا ہے۔ ہم اُن کے حسبِ اعمال جزا دیتے ہیں۔ اگر وہ ایمان کے ساتھ نیکی کرتے تو نیک جزا دیتے۔ اور برائی تو برائی ہی ہے۔ جیسا عمل ویسا بدلہ۔

ف اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر غرور کی کوئی وجہ ہو مثلاً کوئی مالدار ہو یا حسین و جمیل۔ تو اس کے لئے غرور و کبر جائز ہو جاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ سمجھانا یہ ہے کہ کبر و غرور تو اگر اس کے اسباب بھی موجود ہوں تب بھی مناسب نہیں چہ جائیکہ اس صورت میں غرور کا مظاہرہ ہو جبکہ کچھ بھی نہیں ۱۲ انظر شاہ کشمیری ؎

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ

اور موسیٰ کی قوم نے اُن کے بعد اپنے (مقبوضہ) زیوروں کا ایک بچھڑا بنا لیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی۔ کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ اُن سے

لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ① وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ

بات نہیں کرتا تھا اور نہ اُن کو کوئی راہ بتلاتا تھا اس کو انھوں نے معبود قرار دیا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا اور جب نادم

اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ②

ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا (یہ) گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے

گوسالہ پرستی

بنی اسرائیل میں سے گمراہ لوگوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی۔ سامری نے ان زیورات سے جو قبطیوں سے مستعار لے گئے تھے ان کے سونے چاندی سے بچھڑے کا سا ایک مجسمہ بنایا اور اس کے پیٹ کے اندر ایک مٹھی بھر وہ مٹی ڈال دی جو جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں تلے سے حاصل کر رکھی تھی۔ چنانچہ اس بچھڑے کے اندر سے ایسی آواز نکلنے لگی جیسے گائے کی ہوتی ہے۔ یہ سارا کھیل موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں ہوا۔ جب کہ آپ میقات رب کی خاطر طور پر گئے ہوئے تھے۔ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فتنہ سے آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوتا ہے کہ اے موسیٰ! تمھاری قوم کو تمھارے پیچھے ہم نے آزمائش میں ڈال دیا ہے یعنی سامری نے انھیں گمراہ کر دیا ہے۔ مفسرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ گوشت اور خون کا بن چکا تھا اور آواز دینے لگا تھا یا سونے ہی کا بنا ہوا تھا صرف اس میں ہوا داخل ہو گئی تھی اور اس کے اندر سے گائے کی طرح آواز نکلتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بچھڑا تیار ہونے کے بعد جب گائے کی طرح آواز دینے لگا تو لوگ ناچتے ہوئے اس کے اطراف طواف کرنے لگے اور بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہی ہے تمھارا خدا اور موسیٰ کا خدا۔ موسیٰ بھول میں پڑ گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کیا وہ اتنی سی بات کو نہیں سمجھتے کہ آواز نکالتا ہے تو کیا ہوا وہ تمھاری کسی بات کا جواب تو دیتا نہیں، نہ تمھیں کوئی ضرر پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ نہ وہ ان سے بات کرتا ہے نہ انھیں کوئی رہنمائی کر سکتا ہے۔ ان گوسالہ پرستوں کو سرزنش ہو رہی ہے کہ بچھڑے کو لے کر گمراہ ہو گئے۔ خالق السّمٰوٰت والارض کو بھول گئے۔ ان کی آنکھوں پر جہل و گمراہی کے پردے پڑ گئے ہیں جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شے کی محبت تمھیں اندھا اور بہرا کر دے گی۔ اور جب یہ اپنے فعل پر نادم ہوئے اور سمجھ میں آ گیا کہ واقعی ہم گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے اور مغفرت نہ فرمائے تو ہم بڑے گھاٹے میں رہیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے گناہ کا اعتراف کیا اور خدا تعالیٰ کے سامنے عجز و زاری کی۔ بعض نے یرحمنا کے بجائے (ت) سے "ترحمنا" اور "تغفرلنا" پڑھا ہے اس طرح "ربنا" فاعل ہونے کے بجائے منادی ہو جاتا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی کیا اپنے رب کے حکم (آنے) سے پہلے ہی تم نے

اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ

جلد بازی کر لی۔ اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارون نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے

وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ③

اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ تو تم مجھ پر (سختی کرکے) دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھ کو ان ظالم لوگوں کے ذیل میں مت شمار کرو۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿ع﴾

ع ۱۲ / ۸

موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب میری خطا معاف فرمادے اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنیوالے ہیں

موسیٰ ہارون علیہما السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا غیض و غضب

موسیٰ علیہ السلام جب خدا سے باتیں کر کے قوم کی طرف لوٹے تو نہایت غضب ناک تھے اور رنج و افسوس میں تھے۔ اور کہنے لگے کہ میرے پیچھے گوسالہ کی پرستش کر کے تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے کیا خدا کے عذاب کو تم جلدی بلا لینا چاہتے تھے اور خدا کی باتوں سے ہٹ کر مجھے جلدی لوٹانا چاہتے تھے۔ مگر یہی بات مقدر میں تھی۔ اور شدتِ غضب میں یہ الواح انھوں نے زمین پر ڈال دیں اور بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ الواح زمرد کے تھے یا یاقوت کے یا کپڑے کے یا لکڑی کے۔ اس واقعہ سے دلالت ہوتی ہے اس حدیث پر جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ۔ یعنی شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اور ظاہر سیاقِ عبارت یہ ہے کہ آپ نے غضب ناک ہو کر الواح قوم کے سامنے پھینک دیئے۔ یہ سلف و خلف تمام جمہور کا قول ہے۔ ابن جریرؒ نے روایت کی ہے کہ یہ قول غریب ہے اس کی اسناد صحیح نہیں۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ رد کرنے کے قابل ہے شاید بعض اہل کتاب کے ذخیرہ سے قتادہ نے نقل کر لیا ہو اور اہل کتاب میں تو جھوٹ تصرف کرنے والے، بات بنانے والے اور زندیق بہت ہیں۔ بھائی کا سر پکڑ کر گھسیٹا تو اس خیال کے تحت کہ لوگوں کو گوسالہ پرستی سے روکنے میں اس نے کوتاہی کی ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ اے ہارون جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ گمراہی اختیار کر رہے ہیں تو میرے حکم پر چلنے سے تم کو کس نے روکا تھا۔ کیا تمھیں میری نافرمانی کی جرأت ہو گئی؟ تو ہارون نے کہا "اے میرے ماں جائے میری ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کر نہ کھینچو مجھے تو یہ خوف تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ میرا انتظار کیوں نہیں کیا اور بنی اسرائیل میں تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ اے بھائی یہ لوگ تو میری پروا نہیں کرتے تھے مجھے کمزور خیال کر لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔ دشمن کو مجھ پر مت ہنساؤ[ط] اور ان ظالموں میں مجھے شمار نہ کرو۔" میری ماں کے بیٹے کے الفاظ اس لئے کہے تاکہ یہ الفاظ اثر انداز ہوں۔ موسیٰ کو رحم آ جائے۔ ورنہ وہ تو ان کے ماں باپ دونوں طرف سے سگے بھائی تھے۔ جب حضرت موسیٰ پر بھائی کی بے قصوری ثابت ہوگئی تو ہارون کو چھوڑ دیا۔ ارشاد ہے کہ ہارون نے پہلے ہی لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ اے لوگو! تم فتنے میں مبتلا ہو رہے ہو، تمہارا رب یہ گوسالہ نہیں، بلکہ رحمٰن ہے تم میرے پیچھے چلو اور میری بات سنو۔ اسی لئے تو موسیٰؑ نے کہا تھا کہ "الٰہی! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ ہم دونوں کو تو اپنی رحمت میں لے لے تو ارحم الراحمین ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے، دیکھنے والے کی بات الگ اور سننے والے کی الگ ہوتی ہے۔ رب عز و جل نے خبر دی تھی کہ تمھارے پیچھے تمھاری قوم شرک میں مبتلا ہو گئی ہے۔ یہ سن کر انھوں نے الواح نہیں پھینکے اور جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو غصہ کے مارے الواح پھینک دیئے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي

جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ① وَالَّذِينَ عَمِلُوا

زندگی ہی میں پڑے گی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کے

السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ②

کام کئے پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آویں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کر دینے والا رحمت کرنے والا ہے

[ط] دشمن یہ دیکھ کر خوب ہنسیں گے کہ ہارون جس موسیٰ کی امت کی اصلاح میں اپنی جان کی بازی بھی لگائے ہوئے تھا آج وہ خیر خواہ یار ان موسیٰ سے بر سر عام کھڑا ذلیل ہو رہا ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری

گوسالہ پرستی کی عبرتناک سزا

گوسالہ پرستی کی سزا میں اللہ کا جو غضب بنی اسرائیل پر نازل ہوا وہ یہ تھا کہ ان کی توبہ اسی وقت تک قبول نہیں ہوئی جب تک بحکم خدا آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کر ڈالیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے کہ "خدا کی بارگاہ میں توبہ پیش کرو کہ باہم اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو۔ خدا اسی میں تمھاری بہتری جانتا ہے اور جب انھوں نے ایسا کیا تو ان کی توبہ قبول کرلی گئی۔ وہ تو رب رحیم ہے۔ لیکن دنیا میں انھیں ذلت و خواری نصیب ہوئی۔ قولہ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ۔ اور یہ ذلت تو ہر مفتری کے لئے یوم قیامت تک رہتی ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ اسی طرح ہر صاحب بدعت ذلیل ہوگا۔ جو بدعت نکالتا ہے اس کو یہی سزا ملے گی۔ مخالفتِ رسول اور بدعت کا بوجھ اس کے دل سے نکل کر اس کے کندھوں پر آپڑتا ہے۔ حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ دنیوی شان و شوکت رکھتا ہو لیکن ذلت اس کے چہرہ پر برستی ہے۔ خدا کی طرف سے قیامت تک یہ سزا جھوٹ باندھنے والے اور افترا کرنے والے کو ملتی رہے گی۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے خواہ کیسا ہی گناہ ہو۔ لیکن توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے اگرچہ کفر و شرک و شقاق و نفاق ہی ہو۔ حکم ہوتا ہے کہ جو گناہ کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو اے رسول رحمت تمھارا رب اس کے بعد بھی غفور رحیم ہے۔ ابن مسعود رض سے سوال کیا گیا ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ کسی عورت سے زنا کرے پھر اس سے نکاح کرلے تو اس کے بارے میں کیا ہوگا؟ تو اس آیت کی تلاوت کی کہ "جن لوگوں نے بُرے کام کئے پھر توبہ کرلی ایمان لائے اور راستی پر آگئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد بھی بخشنے والا اور رحیم ہے۔" عبداللہ نے دس بار اس کی تلاوت کی۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور جب موسیٰ ع کا غصہ فرو ہوا تو اُن تختیوں کو اُٹھا لیا اور ان کے مضامین میں اُن لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے

لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ہدایت اور رحمت تھی

کتاب ہدایت

اللہ پاک فرماتا ہے کہ جب موسیٰ ع کا غصہ تھم گیا تو انھوں نے تختیاں اُٹھائیں جو غصہ کی وجہ سے پھینک دی تھیں۔ یہ حرکت بت پرستی پر غیرت اور غصہ کی وجہ سے تھی۔ ارشاد ہے کہ "اس کے اندر ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے خدا سے ڈرتے ہیں۔" اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جب انھیں پھینک دیا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں۔ پھر انھیں جمع کرلیا اور اسی بنا پر بعض سلف نے کہا ہے کہ ان ٹوٹی ہوئی تختیوں میں ہدایت و رحمت کے احکام درج تھے لیکن تفصیل سے متعلق احکام ضائع ہوگئے۔ گمان کیا گیا ہے کہ اسرائیلی بادشاہوں کے خزانوں میں دولت اسلامیہ کے زمانے تک یہ ٹکڑے موجود تھے۔ واللہ اعلم۔ لیکن اس بات پر دلیل واضح ہے کہ پھینک دینے سے وہ ٹوٹ گئی تھیں وہ تختیاں جنت کے جوہر کی ہی ہوئی تھیں۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ جب انھیں اُٹھا لیا تو ان میں ہدایت و رحمت پائی۔ رھبت کے معنی خشوع و خضوع ہے۔ اخذ الالواح سے متعلق قتادہ نے کہا ہے کہ موسیٰ ع نے کہا کہ یارب میں الواح میں لکھا پاتا ہوں کہ ایک بہترین اُمت ہوگی جو ہمیشہ اچھی باتوں کو سکھائے گی اور بُری باتوں سے روکتی رہے گی۔ اے خدا وہ اُمت میری اُمت ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ وہ تو احمد کی اُمت ہوگی۔ پھر کہا یارب ان الواح سے ایک ایسی اُمت کا پتہ چلتا ہے جو سب سے آخر میں پیدا ہوگی۔ لیکن جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگی۔ اے خدا وہ میری اُمت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ احمد کی اُمت ہے۔ پھر کہا یارب اس اُمت کا قرآن ان کے سینوں میں ہوگا۔ دل میں دیکھ کر پڑھتے ہوں گے حالانکہ ان سے پہلے کے سب ہی لوگ اپنے قرآن پر نظر ڈال کر قرآن پڑھتے ہیں دل سے نہیں پڑھتے تھے کہ ان کا قرآن اگر ہٹا لیا جائے تو پھر ان کو کچھ بھی یاد نہیں اور نہ وہ کچھ پہچان سکتے ہیں۔ اللہ نے ان کو حفظ کی ایسی قوت دی ہے کہ کسی اُمت کو نہیں دی گئی۔ یارب وہ میری اُمت ہو۔ کہا اے موسیٰ وہ تو احمد کی اُمت ہے۔ پھر کہا یارب وہ

امّت تیری ہر کتاب پر ایمان لائے گی۔ وہ گمراہوں اور کافروں سے قتال کریں گے حتیٰ کہ کانے دجّال سے بھی لڑیں گے۔ الٰہی! وہ میری اُمت ہو۔ خدا نے کہا کہ یہ احمد کی امت ہو گی۔ پھر موسیٰؑ نے کہا یارب الواح میں ایک ایسی امّت کا ذکر ہے کہ وہ اپنے نذرانے اور صدقات خود آپس میں ہی کھالیں گے حالانکہ اس امت سے پہلے تک کی امتوں کا یہ حال ہو گا کہ اگر وہ کوئی صدقہ یا نذر پیش کریں گے اور وہ قبول ہو گئی تو اللہ آگ کو بھیجے گا اور آگ اسے کھا جائے گی۔ اور قبول نہ ہوئی رَد ہو گئی تو پھر بھی وہ اس کو نہ کھائیں گے بلکہ درندے اور پرندے آ کر کھا جائیں گے اور اللہ ان کے صدقے ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو دے گا۔ یارب وہ میری اُمّت ہو۔ تو فرمایا یہ احمد کی اُمّت ہو گی۔ پھر کہا یارب میں پاتا ہوں کہ وہ اگر کوئی نیکی کا ارادہ کرے گی لیکن عمل میں نہ لا سکے گی تو پھر بھی ایک ثواب کی حقدار ہو جائے گی اور اگر عمل میں لائے گی تو دس حصّے ثواب ملے گا بلکہ سات سو حصّے تک۔ اے خدا وہ میری اُمت ہو۔ تو فرمایا وہ احمد کی اُمت ہے۔ پھر کہا کہ الواح میں ہے کہ وہ دوسروں کی شفاعت بھی کریں گے اور ان کی شفاعت بھی دوسروں کی طرف سے ہو گی۔ اے خدا وہ میری اُمّت ہو۔ تو کہا نہیں۔ یہ احمد کی امت ہو گی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے پھر الواح رکھ دیئے۔ اور کہا یارب! مجھے اس احمد کی امت میں سے بنا دے۔

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ

اور موسیٰؑ نے ستّر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین پر لانے کیلئے منتخب کئے سو جب ان کو زلزلہ (وغیرہ) نے آ پکڑا تو موسیٰ عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ کو یہ

أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ط

تو آپ اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتے۔ کہیں آپ ہم میں کے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے۔ یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے

تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنتَ خَيْرُ

ایسے امتحانات سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں آپ ہی تو ہمارے خبرگیراں ہیں ہم پر مغفرت اور رحمت فرمائیے اور آپ سب معافی دینے والوں سے

الْغَافِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ط

زیادہ ہیں اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ستّر آدمیوں کی گستاخی خدا کا قہر اور موسیٰ علیہ السّلام کی پریشانی

اللہ پاک نے موسیٰؑ کو ستّر آدمی انتخاب کر لینے کا حق دیا تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السّلام ایسے منتخب ستر لوگوں کو لے کر خدا سے دعا کرنے کے لئے گئے۔ لیکن جب انھوں نے خدا سے دعا کی تو کچھ اس طرح کی کہ اے خدا! ہمیں وہ کچھ عنایت کر جو اب تک ہم سے پہلے تو نے کسی کو نہ دیا ہو اور نہ ہمارے بعد پھر کسی اور کو دے۔ یہ بات خدا کو ناگوار گذری۔ چنانچہ زلزلے نے اُنھیں آگھیرا۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو تیس آدمیوں کے ساتھ آنے کے لئے کہا جو گوسالہ کی پرستش کے سبب خدا سے معافی مانگیں اور دعا کے لئے ایک وقت اور مقام قرار دیا۔ موسیٰؑ نے ستّر آدمی انتخاب کئے جنھیں اعتذار کے لئے اپنے ساتھ لے گئے لیکن جب وعدہ گاہ پر پہنچے تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم تو تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ خدا تعالیٰ کو دیکھ لیں تم نے تو خدا سے باتیں کریں۔ اب ہمیں بھی خدا کو دکھلا دیجئے اس جسارت کی سزا میں ان پر بجلی گری اور سب وہیں ڈھیر ہو گئے حضرت موسیٰؑ روتے ہوئے اُٹھے خدا سے کہہ رہے تھے کہ اے خدا! اب میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا؟ یہ تو ان میں کے اچھے لوگ تھے انھیں بھی تو نے ہلاک کر دیا۔ کاش اے خدا تو اُن کے ساتھ مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے ستّر اچھے سے اچھے آدمی چُن لئے اور کہا تھا کہ چلو خدا کی طرف۔ اور اپنی بقیہ قوم کی طرف سے خدا کے پاس معذرت پیش کرو۔ توبہ کرو۔ روزے رکھو۔ جسم اور کپڑوں کو پاک کر لو۔ پھر انھیں وقت مقررہ پر طورِ سینا کی طرف لے چلے اور یہ سب خدا کی اجازت اور علم سے تھا۔ اب یہ سب ہی ستّر افراد جو حضرت موسیٰؑ کی

رہنمائی میں خدا سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے اے موسیٰ! خدا سے تمہاری باتیں ہوتی ہیں ہمیں بھی یہ باتیں سُننے دیجئے۔ موسیٰؑ نے کہا اچھا۔ اور جب موسیٰؑ پہاڑ کے قریب پہنچے تو وہ ایک بہت ہی گہرے اور اُمڈے ہوئے بادل کے اندر چھپ گئے۔ پہاڑ بھی بادل کے اندر ڈھک گیا۔ موسیٰؑ بادل میں آئے۔ قوم سے کہا تم بھی قریب تر ہو جاؤ اور موسیٰؑ جب خدا سے باتیں کرتے ہوتے تو آپ کے چہرے پر ایک بہت ہی چمکدار نور ضیا بار ہوتا کہ کوئی آپ کے چہرے پر نظر ڈالنے کی قدرت نہ رکھتا۔ اس لئے آپ اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے۔ جب لوگ اس ابر کے قریب آکر اس میں داخل ہو گئے تو سجدے میں گر پڑے اور انھوں نے موسیٰؑ اور خدا کی باتیں سُنیں کہ اللہ پاک موسیٰؑ کو امر دے رہا ہے اور نہی کر رہا ہے کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو۔ اور اس سے جب فارغ ہو گئے ابر ہٹ گیا اور موسیٰؑ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ ہم تو اس وقت تم پر ایمان لائیں کہ تم ہمیں علانیہ خدا کو دکھلا دو۔ اس گستاخی میں انھیں بجلی نے آپکڑا۔ انکی رُوحیں جسم سے نکل گئیں مر گئے۔ موسیٰؑ یہ دیکھ کر خدا کے سامنے آہ وزاری کرنے لگے کہ الٰہی اگر تو انھیں ہلاک ہی کرنا چاہتا تھا تو ان کے ساتھ مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ انھوں نے بے وقوفی کی حرکت کی۔ میرے پیچھے کیا تو بنی اسرائیل کو ہلاک کر دے گا۔ علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ موسیٰ اور ہارون وشبر وشبیر یہ سب مل کر ایک پہاڑ کی وادی کی طرف گئے۔ ہارون ایک ٹیلہ پر کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں موت دے دی۔ موسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف لوٹے تو انھوں نے ہارون کو پوچھا۔ موسیٰؑ نے کہا کہ وہ مر گئے۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں تم نے قتل کیا ہوگا۔ وہ بڑے نرم مزاج اور مرنج ومرنجان آدمی تھے۔ موسیٰؑ نے کہا اچھا تم کچھ آدمی چُن لو! انھوں نے ستّر آدمی چُن لئے۔ اب ہارونؑ کی لاش پر گئے اور پوچھا۔ ہارون! تم کو کس نے قتل کیا؟ ہارون سے آواز آئی "مجھے تو کسی نے بھی قتل نہیں کیا، میں تو اپنی موت مرا ہوں"۔ اب یہ لوگ کہنے لگے "اے موسیٰ! اس کے بعد ہم تم سے کبھی سرکشی نہیں کریں گے"۔ سزا یہ ملی کہ انھیں ایک کڑک نے آلیا۔ موسیٰؑ سیدھے اور بائیں بلا وجہ گھومتے اور کہتے کہ اے خدا! کیا ان بیہودوں کی گفتگو پر تو ہمیں ہلاک کر دے گا۔ یہ تیری آزمائش بھی تو جس کو چاہے گمراہ کرے جس کو چاہے ہدایت دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو زندہ کر دیا اور ان سب کو انبیاء بنایا۔ یہ بہت غریب اور ناقابل یقین حدیث ہے راویوں میں عمارہ بن عبید تو بالکل مجہول شخص ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس لئے ان پر عذاب نازل ہوا تھا کہ گوسالہ پرستی کو چپ چاپ دیکھتے رہے تھے اور قوم کو اس شرک سے منع نہیں کیا تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰؑ نے ان کو بے وقوفوں کا نام دیا تھا اور کہا تھا کہ اے خدا! یہ تیرا ابتلاء اور امتحان ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یوں حمد وثنا کی کہ یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے، تیرا ہی حکم چلتا ہے اور تو جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، ہدایت وگمراہی تیرے ہی پاس ہے جسے تو راہ دکھائے اُسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جسے تو گمراہ کر دے اُسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا تو جس سے روک لے اُسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دیدے اُس سے کوئی چھین نہیں سکتا، ملک کا مالک تو ہی ہے اور حکم کا حاکم بھی صرف تو ہی ہے، خلق وامر سب تیری ہی طرف سے ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السّلام نے دعا کی کہ "اے خدا! تو ہمارا ولی ہے ہمیں بخشدے، ہم پر رحم فرما، تو خیر الغافرین ہے"۔ غفر کے معنی ڈھانپنا، چھپانا اور گناہ پر مواخذہ نہ کرنا اور غفران کے ساتھ جب رحمت کا جوڑ ہو جائے تو یہ مطلب ہے کہ بخشش دینے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اس کو آئندہ مبتلائے گناہ نہ ہونے دے۔ اے خدا! دنیا میں بھی تو ہمیں نیکی دے اور آخرت میں بھی (حَسَنَة کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے) ہم توبہ کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ حضرت علی رضہ کہتے ہیں کہ ان کا نام یہود اس لئے پڑ گیا کہ انھوں نے هُدْنَا اِلَیْكَ کہا تھا۔

قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهِۦ مَنْ أَشَآءُ ۖ وَرَحْمَتِى وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں۔ اور میری رحمت تمام اشیاء کو گھیرا ہو رہی ہے تو وہ رحمت اُن لوگوں کے نام

لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلَّذِينَ هُم بِـَٔايَٰتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝

تو ضرور ہی لکھوں گا جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں

رحمت ورحمت موسیٰ علیہ السّلام نے کہا تھا کہ اے خدا یہ تیرا فتنہ[1] تیرا عذاب ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ عذاب اسی کو

[1] حرفی ... فتنہ کے معنی ... عربی میں فتنہ ان معنوں میں استعمال نہیں جن معنی میں اُردو میں استعمال ہوتا ہے" انظر شاہ کشمیری

پہنچتا ہے جس کے لئے میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کو عذاب ہونا چاہئے ورنہ میری رحمت تو ہر شے پر وسیع ہے میں جیسا چاہوں کروں۔ ہر بات میں حکمت اور عدل میرا ہی حق ہے۔ رحمت والی آیت بہت عظیم ہے اور سب پر شامل ہے۔ جیسا کہ عرش کو اُٹھانے والے فرشتوں کی زبان میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے خدا! تیری رحمت اور تیرا علم سب پر حاوی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا۔ اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنی اونٹنی کھولی، اُس پر سوار ہو کر یہ دعا کرنے لگا کہ اے خدا مجھ پر اور محمد پر اپنی رحمت کر، ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ بنا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا۔ بتاؤ تو یہ زیادہ گمراہ اور بیوقوف ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سُنا جو اس نے کہا؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اُس کی بڑی وسیع رحمت ہے اس نے رحمت کے سَو حصّے کئے ہیں ایک حصّہ ساری خلقت پر تقسیم کیا ہے۔ جن و انس و بہائم سب کو اسی ایک میں سے حصّہ ملا ہے اور باقی ننانوے حصّے اپنے لئے خاص رکھے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ان دونوں میں کون زیادہ بیوقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سَو حصّے کئے ہیں جن میں سے صرف ایک ہی حصّہ دنیا میں اُتارا، اسی سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کرتی ہے، اسی سے حیوان اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں۔ باقی ننانوے حصّے اُس کے پاس ہی ہیں جن کا اظہار قیامت کے دن ہوگا اور بروزِ قیامت اسی حصّے کے ساتھ اور ننانوے حصّے جو مؤخر ہیں ملا دیئے جائیں گے۔ اور روایت ہے کہ اسی نازل کردہ ایک حصّہ میں چرند و پرند بھی شامل ہیں۔ خدا کی قسم جو بلحاظِ دین فاجر ہے جو بلحاظ کسبِ معاش احمق ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔ خدا کی قسم وہ بھی جنّت میں جائے گا جس کو آگ نے گناہوں کے سبب گھیر رکھا ہو اس کی رحمت قیامت میں ایسی چھا جائے گی کہ ابلیس کو بھی اس میں سے کچھ ملنے کی توقع پیدا ہو جائے گی۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ سعد اس کے راویوں میں ایک غیر معروف شخص ہے میری رحمت کے مستحق وہ ہوں گے جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ تمہارے رب نے اپنی ذات کے لئے رحمت کو فرض قرار دے لیا ہے۔ پرہیزگاری کرتے ہیں یعنی شرک اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ کہا گیا کہ زکوٰۃ سے زکوٰۃ نفوس مُراد ہے یا زکوٰۃ اموال یا یہ کہ دونوں مُراد ہوں۔ کیونکہ یہ آیت کی ہے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو مانتے اور اُن کی تصدیق کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

جو لوگ ایسے رسول نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں

وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو اُن کے لئے حلال بتلاتے ہیں

الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ

حرام فرماتے ہیں اور اُن لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے اُن کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں

۱۹ ع ۹

وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷)

اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اُس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اُن کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ

جو لوگ نبیِ اُمّی کی پیروی کرتے ہیں وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ انھیں اس پیش گوئی کا علم ہے جو ان کی کتابوں توریت و انجیل میں نبیِ اُمّی سے متعلق لکھی ہوئی ہیں۔ کتبِ انبیاء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مذکور رہی ہے جنھوں نے اپنی اپنی اُمّت کو آپ کی بعثت کی خوش خبری دی ہے اور ان کا مذہب اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ان کے علماء اور راہب اس چیز کو جانتے ہیں۔ مسندِ امام احمد میں ہے کہ ایک بدوی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میں دودھ بیچنے کے لئے مدینے گیا۔ فروخت کرنے کے بعد میں نے کہا چلو اُن سے بھی (محمد سے) مل لوں اور اُن سے کچھ باتیں سُنوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ

جا رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے ہو لیا۔ یہ تینوں ایک یہودی کے گھر پہنچے جو تورات جانتا تھا۔ اس کا لڑکا قریب الموت تھا نوجوان اور خوبصورت۔ وہ اس کے پاس بیٹھا، تعزیت نفس کی خاطر توریت پڑھ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی سے باتیں کرنے لگے اور کہا کہ تمھیں توریت نازل کرنے والے کی قسم ہے سچ بتاؤ اس میں میرا ذکر اور میری بعثت کی خبر بھی ہے کہ نہیں۔ اس نے سر ہلا کر کہا "نہیں" تو اس کا قریب الموت نوجوان لڑکا بول اُٹھا کہ توراۃ نازل کرنے والے کی قسم کہ ہم اپنی کتابوں میں آپ کی صفت اور بعثت کی خبر پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں جب وہ مرگیا تو آپ نے کہا کہ یہ مسلمان ہے یہودیوں کو یہاں سے ہٹا دو۔ پھر آپ نے اس کے کفن اور نماز کا انتظام کیا۔ یہ حدیث جیّد اور قوی ہے اور صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ہشام بن العاص سے روایت ہے کہ ہرقل شاہ روم کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے میں اور ایک آدمی بھیجے گئے ہم چلے اور غوطہ دمشق تک پہنچے۔ جبلہ بن ایہم الغسانی کے محل کو گئے۔ وہ صاحب تخت تھا۔ ہمارے پاس ایک سفیر کو بھیجا کہ بات کرے کہ کیا کہنا ہے۔ ہم نے کہا ہم تم سے بات نہیں کریں گے۔ ہم بادشاہ سے بات کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر اس نے بلا لیا تو اسی سے بات کریں گے۔ ہمیں تم سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اس نے جا کر بادشاہ کو خبر کی۔ اُس نے بلا لیا اور کہنے لگا۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ ہشام بن العاص نے اس سے گفتگو کی اور اسلام کی دعوت دی، وہ سیاہ کپڑے پہنے تھا۔ ہشام نے کہا یہ سیاہ کپڑے کیوں ہیں؟ جبلہ نے کہا میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ یہ سیاہ لباس نہ اُتاروں گا جب تک کہ تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں۔ ہم نے کہا خدا کی قسم ہم یہ تخت تم سے لینے والے ہیں اور ملکِ اعظم کا ملک بھی ان شاء اللہ ہمارے قبضہ میں آجائے گا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیش گوئی فرما دی ہے۔ اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں ہو۔ وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ دن میں روزہ رکھتے ہیں، راتوں کو نماز پڑھتے ہیں تم بتاؤ تمھارا روزہ کیسا ہے۔ ہم نے پوری طرح بتا دیا تو گویا اس کے چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی۔ اس نے کہا اچھا جاؤ بادشاہ سے ملو اور ہمارے ساتھ ایک رہبر کر دیا۔ ہم اُس کی راہنمائی میں چلے اور جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو ہمارے رہبر نے ہم سے کہا کہ تم ان سواریوں اور اونٹنیوں کو لے کر شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تم چاہو تو ہم تمھارے لئے گھوڑے اور خچّر مہیّا کر دیں۔ ہم نے کہا خدا کی قسم ہم تو ان ہی پر سوار رہیں گے۔ اس نے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ انھیں دوسری سواریوں پر بیٹھنے سے انکار ہے۔ بادشاہ نے اونٹنیوں پر ہی سوار آنے کی اجازت دیدی۔ ہم اپنی تلواریں لٹکائے بادشاہ کے محل تک پہنچے اپنی سواریاں وہاں بٹھا دیں۔ بادشاہ اپنے محل کے بالاخانے سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم نے اُترتے ہی کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ خدا جانتا ہے کہ ہماری آوازِ تکبیر سے سارا محل لرز اُٹھا۔ گویا آندھیوں نے اس کو ہلا دیا ہو۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ تم کو اپنے دین کا اس طرح مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ پھر ہمیں بُلا بھیجا۔ ہم داخلِ دربار ہوئے۔ وہ اپنی مسند پر بیٹھا ہوا تھا اور پوپ پادری اور عمائدِ سلطنت اُس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی مجلس کی ہر چیز سُرخ تھی، سارا ماحول سُرخ، اس کے کپڑے بھی سُرخ۔ ہم اس کے قریب گئے۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ تم آپس میں جس طرح سلام کیا کرتے ہو مجھے کیوں نہیں کیا؟ اُس کے پاس ایک فصیح الکلام، عربی جاننے والا ترجمان موجود تھا۔ ہم نے اس کے ذریعہ یہ کہا کہ ہم باہم جو سلام کہہ لیا کرتے ہیں وہ آپ کے سزاوار نہیں اور آپ کا جو طریقۂ ادب و سلام ہے وہ ہمارے لئے سزاوار نہیں کہ وہ طریقۂ تعظیم، وہ شیوۂ سلام و کلام ہم آپ کے لئے برتیں۔ اُس نے کہا تمھارا باہمی سلام کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" اُس نے پوچھا۔ تم اپنے بادشاہ کو کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا انھیں بھی اسی طرح۔ اس نے پوچھا کہ وہ کس طرح جواب دیتے ہیں؟ ہم نے کہا وہ بھی یہی الفاظ کہہ کر جواب دیتے ہیں۔ اس نے پوچھا تمھارا امتیازی نعرہ کیا ہے؟ ہم نے کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ جب ہم نے باوازِ بلند یہ کہا تو سارا محل لرز گیا۔ حتّٰی کہ وہ گھبرا کر سر اُٹھا کر دیکھنے لگا کہ چھت تو نہیں گرے گی۔ وہ کہنے لگا یہ کلمہ جو تم نے کہا جس سے مکان ہل گیا تو جب کبھی تم اپنے گھروں میں کہتے ہو تو کیا تمھارے گھر بھی کانپ اُٹھتے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں۔ ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا بجز آپ کے محل کے۔ کہا کیا اچھا ہوتا کہ جب کبھی تم لوگ یہ نعرے لگاتے تو تمھاری ہر چیز بھی لرز اُٹھتی اور اس نعرے کی زد سے میرا آدھا ملک مارا جاتا اور آدھا رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا ایسا کیوں؟ تو کہا یہ آسان ہے اس بات سے کہ امرِ نبوت مستحکم اور قائم ہو جائے۔ پھر ہم سے آنے کی غرض پوچھی۔ ہم نے مقصدِ تبلیغ بتا دیا۔ پوچھا تمھارا نماز روزہ کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے بتا دیا۔ اس نے اب ہمیں رخصت کیا۔ ہمیں ضیافت خانے میں ٹھیرایا، ہماری مہمانی کی۔ ہم وہاں تین دن ٹھیرے۔ پھر ایک رات ہمیں بُلا بھیجا۔ ہم گئے پھر ہم سے دریافت کیا، پھر ہم نے اپنا مقصد دُہرایا۔ اب اس نے ایک بہت بڑی چیز سونے چاندی سے جڑاؤ منگوائی۔ اس میں چھوٹے

چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے اس میں دروازے لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک خانہ کا قفل کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک سُرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ ایک آدمی کی تصویر تھی جس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں، موٹی رانیں، لمبی اور گھنی داڑھی، سر کے بال دو حصّوں میں نہایت خوبصورت اور لمبے لمبے۔ کہنے لگا کیا اس کو جانتے ہو۔ ہم نے کہا۔ نہیں، کہنے لگا یہ آدمؑ ہیں ان کے جسم پر بہت بال تھے۔ پھر اور ایک ڈبّے کا قفل کھولا۔ اُس میں سے بھی ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک گورے رنگ کے آدمی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ گھونگروالے بال، سُرخ آنکھیں، بڑا سا سر، خوبصورت ڈاڑھی کہنے لگا یہ نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک ڈبّے میں سے ایک اور تصویر نکالی۔ بہت ہی گورا رنگ، خوبصورت سی آنکھیں، کشادہ پیشانی، منوّر چہرہ، سفید ڈاڑھی، ہنس مکھ۔ کہا جانتے ہو کہ کون ہیں؟ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر ایک اور ڈبہ کھولا۔ ایک روشن اور گورے رنگ کی تصویر تھی اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ پوچھا کیا انھیں جانتے ہو۔ ہم نے کہا۔ ہاں۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ تصویر دیکھ کر ہم پر رقت طاری ہوگئی۔ وہ کہنے لگا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہوگیا پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم کیا یہ وہی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہیں اس تصویر کو دیکھ کر تم یہ سمجھ لو کہ آپ ہی کو دیکھا ہے پھر کچھ دیر تک اس صورت کو گھورتا رہا۔ پھر کہا۔ یہ آخری ڈبّہ تھا۔ لیکن میں نے اس کو سب کے آخر میں بتانے کے بجائے دوسرے ڈبّے چھوڑ کر درمیان میں بتادیا تاکہ تمھاری سچائی کا امتحان کروں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی جو گندم گوں اور نرم صورت تھی۔ گھونگریا لے بال، گڑی ہوئی آنکھیں، تیز نظر، پُرجلال چہرہ، جُڑے ہوئے دانت، موٹے ہونٹ۔ کہنے لگا یہ موسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔ اس کے متصل ایک اور تصویر تھی جو شکل وصورت میں اس سے مشابہت رکھتی تھی۔ مگر یہ کہ بالوں میں تیل پڑا ہوا، کنگھی کی ہوئی، کشادہ پیشانی، آنکھیں بڑی۔ کہنے لگا یہ ہارون بن عمران ہیں۔ پھر ایک ڈبہ میں سے ایک تصویر نکالی۔ گندمی رنگ، میانہ قامت، سیدھے بالوں والا، چہرے سے رنج وغضب آشکار۔ کہنے لگا یہ لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک سفید رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا۔ ایک سُنہرے رنگ کا آدمی جس کا قد طویل نہ تھا، رُخسار ہلکے تھے، چہرہ خوبصورت تھا۔ کہا یہ حضرت اسحٰق ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا۔ اس میں سے سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا اس کی شکل اسحاقؑ کی تصویر سے بہت مشابہ تھی مگر اس کے ہونٹ پر تل تھا۔ کہا یہ یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک سیاہ کپڑے پر کی تصویر بتائی۔ گورا رنگ، بہت خوبصورت چہرہ، چہرہ پر نور اور اخلاص وخشوع کے آثار نمایاں، رنگ سرخی مائل۔ کہا یہ اسمٰعیلؑ ہیں۔ پھر اور ایک ڈبے میں سے سفید ریشمی کپڑا نکالا جس کے اندر کی تصویر آدم علیہ السّلام کی تصویر سے ملتی جلتی تھی، چہرہ آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ کہا یہ یوسف علیہ السّلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی، سُرخ رنگ، پُرگوشت پنڈلیاں، بڑی آنکھیں، بڑا پیٹ، ٹھنگنا قد، شمشیر آویزاں۔ کہا یہ داؤد علیہ السّلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی۔ موٹی رانیں، لمبے پاؤں، گھوڑے پر سوار۔ کہا یہ سلیمان علیہ السّلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی۔ جوان، سیاہ ڈاڑھی، گھنے بال، خوبصورت آنکھیں، خوبصورت چہرہ۔ کہا یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام ہیں۔ ہم نے کہا یہ تصویریں آپ کو کہاں سے ملیں؟ ہم جانتے ہیں کہ یہ تصویریں ضرور انبیاءؑ کی ہوں گی۔ کیونکہ ہم نے اپنے نبی کی تصویر بھی صحیح پائی ہے۔ پھر کہنے لگا کہ آدم علیہ السلام نے خدا سے سوال کیا تھا کہ میری انبیار اولاد کو مجھے بتا۔ تو اللہ نے اُن انبیار کی تصویریں حضرت آدمؑ کو دیں۔ اس کو آدم نے مغربی ملک میں محفوظ رکھ دیا تھا۔ ذوالقرنین نے اس کو نکالا اور دانیال علیہ السلام کے سپرد کیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ اپنا ملک چھوڑ دوں اور تم میں سے کسی کمترین کا غلام ہو رہوں۔ حتیٰ کہ مجھے موت آجائے۔

اَب ہمیں رخصت کردیا، انعام واکرام دیا، جانے کے انتظامات کردیئے۔ جب ہم ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس آئے اُن سے واقعہ بیان کیا تو وہ آبدیدہ ہوگئے اور کہا اگر اللہ تعالیٰ اُس کو توفیق دیتا تو وہ ضرور ایسا کرتا۔ پھر فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ یہود اپنی کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پاتے ہیں۔ عطار بیسار کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضؓ سے میں نے ملاقات کی اور توریت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیش گوئی کو دریافت کیا تو کہا ہاں خدا کی قسم توریت میں بھی آپ کا ایسا ہی ذکر ہے جیسے قرآن میں ہے کہ اے نبی! ہم نے تم کو اُمّت کا گواہ بنادیا اور جنّت کی خوشخبری دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا اور عوام کا پشت پناہ بنایا ہے۔ تم میرے بندے اور رسول ہو

سلہ یہ روایت بظاہر بے حد ناقابلِ اعتماد ہے افسوس کہ ابن کثیر نے اس طویل قصّے کو نقل تو کردیا لیکن اس پر کوئی جرح وتنقید نہیں کی ۱۲ انظر شاہ +

تمہارا نام متوکل ہے، تم نہ سخت گیر ہو، نہ سنگ دل۔ تم کو اس وقت تک اللہ تعالیٰ وفات نہ دے گا جب تک کہ غلط راہ چلنے والی اس قوم کو تم سیدھا نہ کرلو۔ اور جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور ان کے دلوں سے پردے نہ اٹھ جائیں اور کان سننے اور آنکھیں دیکھنے نہ لگیں۔ پھر عطاء کی ملاقات حضرت کعب سے ہوئی تو یہی سوال ان سے کیا تو بیان میں ایک حرف کا بھی اختلاف نہ پایا۔ سوا اس کے کہ وہ اپنی زبان میں غلفاً کو غلوفیاً اور صماً کو صمومیاً اور عمیاً کو عمومیاً کہتے تھے۔ لیکن یہ جملے بڑھا دیئے کہ وہ بازاروں میں شور وغوغا نہ کریں گے، وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے ہیں، درگذر کر دیتے ہیں۔؎ اور عبداللہ بن عمر رضہ کی حدیث کا ذکر کیا۔ پھر کہا کہ سلف کے کلام میں لفظ توراۃ کا اطلاق عموماً کتب اہل کتاب پر ہوتا ہے اور کتب احادیث میں بھی کچھ ایسا ہی وارد ہے۔ واللہ اعلم۔ جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ میں شام کی طرف تجارت کی غرض سے نکلا۔ جب میں ملک شام کے قریب پہنچا تو اہل کتاب میں سے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے ملک میں کوئی شخص نبی آیا ہوا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کیا تم اس کی تصویر پہچان سکتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ تو وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جس میں تصویریں تھیں۔ مگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تصویر نہیں دیکھی۔ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ ایک اور شخص آیا۔ اس نے کہا کیا بات ہے؟ ہم نے اس کو بتا دیا تو وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دیکھی اور یہ بھی کہ تصویر میں ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہوا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے جو ان کے پیچھے انھیں تھامے کھڑا ہے؟ اس نے کہا۔ یہ نبی تو نہیں ہے لیکن اگر ان کے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہی ہوتا۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن یہ ان کا جانشین ہوگا۔ اقرع مؤذن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضہ نے مجھے ایک پادری کو بلانے کے لئے بھیجا۔ میں بلا لایا۔ اس سے حضرت عمر رضہ نے پوچھا۔ کیا تم کتاب میں میرا بھی ذکر پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ کتاب میں آپ کو قرن کہا گیا ہے۔ آپ نے اپنا دُرّہ اٹھا کر کہا۔ قرن کیا بات ہے؟ اس نے کہا اس سے مراد ہے مردِ آہنی "امر شدید"۔ پھر عمر رضہ نے پوچھا اچھا میرے بعد؟ کہا ہاں تمہارا جانشین ایک مرد صالح ہوگا۔ لیکن وہ اپنے اہل قرابت کو بہت ترجیح دے گا۔ تو عمر رضہ کہنے لگے "خدا عثمان پر رحم کرے" تین بار کہا۔ پھر کہا۔ اس کے بعد کون؟ کہا۔ پارۂ آہن کی طرح ایک شخص۔ عمر رضہ سمجھ گئے کہ علی رضہ مراد ہیں۔ آپ نے اپنا سر پکڑ لیا اور افسوس کرنے لگے۔ اس نے کہا یا امیر المؤمنین وہ خلیفۂ صالح ہے لیکن وہ اس وقت خلیفہ ہوگا جب کہ تلوار میان سے نکال لی گئی ہوگی اور خون بہہ رہا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ نبی نیک باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے جو کتب مقدسہ میں درج ہے اور واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال تھا کہ خیر کے سوا کچھ نہ کہتے اور ہر اس بات سے روکتے جو شر کی ہوتی۔ عبداللہ بن مسعود رضہ سے روایت ہے کہ جب تم قرآن میں یہ پڑھو۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ تو کان لگا دو کہ شاید کوئی خیر کا حکم دیا جانے والا ہے، یا کسی شر سے روکا جانے والا ہے۔ اور سب سے اہم چیز جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ یہ کہ خدا کی بلا شرکت غیرے عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ تمام انبیاء اسی دعوت کو لے کر بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ہر قوم کے اندر اپنے پیغمبر بھیجے ہیں کہ عبادت صرف خدا کی کرو اور بتوں کی پرستش سے باز رہو۔ ابی اسید سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میری کوئی حدیث سنو جس کو تمہارے دل مان لیں تمہارے شعور اس سے نرم ہو جائیں اور تم یہ بات محسوس کرو کہ یہ بات تمہاری ذہنیت سے قریب تر ہے تو یقیناً تمہاری بہ نسبت میری ذہنیت اس سے قریب تر ہوگی یعنی وہ میری حدیث ہو سکتی ہے اور اگر خود تمہارے دل اس حدیث کا انکار کریں اور وہ بات تمہاری ذہنیت اور شعور سے دور ہو تو سمجھو کہ تمہاری بہ نسبت میری ذہنیت سے دور ہوگی اور وہ میری حدیث نہ ہوگی۔؎ علی رضہ سے روایت ہے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنو تو اس کے

؎ خدا جانے ابن کثیر ایسی لغو روایات کہاں سے نقل کر رہے ہیں نہ حوالے اور نہ ماخذ کی نشاندہی۔ اور سب سے بڑے افسوس کی بات یہ کہ ان روایات پر تنقید بھی نہیں کرتے ۱۲ انظر شاہ کشمیری

؎ یہ معیار ہے تو ٹھیک لیکن وہ ذوق، وجدان اور اعلیٰ ذہنیت جو حدیث کی صحت و سقم کے بارے میں فیصلہ کر سکتی ہے خال خال ہی افراد کو نصیب ہے اور پھر اب تو محدثین نے حدیث صحیح اور غیر صحیح کا ایسا فیصلہ کر دیا کہ اس مسئلہ میں مزید رائے قائم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اس لئے ہر عامی اور ہر شخص کو اپنے ذوق کے مطابق حدیث کو قبول اور رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

بارے میں وہی گمان کرو جو زیادہ صحیح گمان ہو اور جو زیادہ پاکیزہ ہو۔ ارشادِ باری ہے کہ "اس نے طیبات تمہارے لئے حلال کر رکھے ہیں اور خبائث حرام کر دیئے ہیں" جیسے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام۔ یہ حلال ہیں لیکن زبردستی حرام کر رکھے ہیں۔ اس سے اپنی ذات پر اور تنگی کر لی ہے اور جو خبائث اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہیں جیسے خنزیر کا گوشت اور سود۔ اور کھانے کی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی تھیں۔ انھیں حلال کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز جو حلال کر رکھی ہے اس کا کھانا بدن کو نفع بخشتا ہے' دین کا مددگار ہوتا ہے۔ اور جس کو اللہ نے حرام کر دیا وہ جسم اور دین دونوں کے لئے مُضر ہے۔ وہ لوگ جو عقلی طور پر خوبی اور خرابی کو جانچتے ہیں وہ اسی آیت سے تمسک کرتے ہیں۔ اس تخیل کا جواب بھی دیا گیا ہے لیکن یہاں ان تمام تفصیلات کا محل نہیں ہے اور اسی آیت سے حجت قائم کی ہے۔ ان علماء نے بھی جو یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی حلت اور حرمت سے متعلق کوئی حدیث نہ ہو تو حلال اور حرام کو جانچنے کا یہ معیار ہو سکتا ہے کہ بلحاظ افادیت کس چیز کو عرب مفید اور طیب سمجھتے ہیں اور کس کو خبیث اور مُضر سمجھتے ہیں۔ اس تخیل میں بھی بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ ارشادِ باری ہے کہ وہ بوجھ جو لوگوں کے دلوں پر تھا رسول اُس کو ہلکا کرتے ہیں اور رواج کی جن زنجیروں میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ رسول ان کو ہٹا دیتے ہیں۔ وہ آسانی اور بخشش و معافی لے کر آئے ہیں جیسے حدیث ہے کہ میں آسان اور باطل کی آمیزش سے پاک دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ اور ابو موسیٰ اشعری کو امیر یمن بنا کر بھیجا تھا تو ہدایت کی تھی کہ خوش مزاج اور خندہ جبیں رہو کہ لوگ تم سے وحشت نہ کریں' ان کے لئے آسانیاں پیدا کرو' تنگی نہ ڈالو۔ لوگوں میں عادت مان لینے کی ہو' اختلافات کی ذہنیت نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو برزہ اسلمی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں' آپ کی آسانیاں بخشنے کا خوب مشاہدہ کر چکا ہوں۔ اگلی اُمتوں میں بڑی سختیاں تھیں۔ اس اُمت پر وہ احکام ہلکے کر دیئے گئے ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت سے دل کے خیالات اور ارادوں پر گرفت نہیں کرتا جب تک کہ وہ زبان سے بول نہ چکیں یا عمل نہ کر چکیں۔ فرمایا کہ میری اُمت سے خطا اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے' بھول چوک سے اگر کچھ کیا ہو یا بحالتِ جبر کیا ہو تو اس کو قابلِ معافی سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وقفه وَاغْفِرْ لَنَا وقفه وَارْحَمْنَا وقفه أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ ان میں سے جو کچھ بندے مانگتا جاتا ہے تو ہر سوال پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اچھا میں نے دیا' میں نے قبول کیا"۔ قول باری ہے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کرتے ہیں اور ان کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

(آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں

وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ

اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو (لوگو) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (بھیجے) نبی اُمی پر (بھی)

الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ①

جو کہ خود) اللہ پر اور ان کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور (ان نبی) کا اتباع کرو تاکہ تم راہ (راست) پر آ جاؤ

رسول الثقلین

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم اور دنیا جہان کے لوگوں سے کہہ دو کہ میں سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ یہ آپ کے شرف اور عظمت کی دلیل ہے کہ نبوت آپ پر ختم ہو گئی اور وہ قیامت تک ساری دنیا کے پیغمبر ہیں۔ اور کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے تمہیں تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے۔ ارشادِ باری ہے کہ جو قوم نبی کو نہ مانے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور فرمایا کہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب سے کہہ دو کہ اسلام لاتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ

اسلام لائیں تو ہدایت پائیں گے۔ ورنہ تمہارا کام تو صرف تبلیغ کرنا تھا" اِس مضمون کی اِس قدر زیادہ احادیث ہیں کہ شمار دشوار ہے۔ اور دینِ اسلام کی یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابو الدرداء رضؓ کہتے ہیں کہ حضرات ابوبکر و عمر میں کچھ تیز گفتگو ہوگئی۔ ابوبکر رضؓ نے عمر رضؓ کو ناراض کر دیا۔ عمر رضؓ رنجیدہ واپس ہو گئے۔ ابوبکر رضؓ کو احساس ہوا اور وہ عمر رضؓ سے معافی مانگنے کے لئے ان کے پیچھے ہی گئے لیکن عمر رضؓ نے گھر میں آنے نہیں دیا، دروازہ بند کر لیا۔ اب ابوبکر رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ ابو الدرداء رضؓ کہتے ہیں کہ ہم بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا۔ تمہارے اس ساتھی نے عمر کو غصہ دلایا ہے؟ پھر عمر رضؓ کو بھی صدیق رضؓ کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دینے پر ندامت ہوئی۔ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اسلام کر کے بیٹھ گئے اور واقعہ حضرت کے سامنے بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر رضؓ پر غصہ آگیا۔ ابوبکر رضؓ یہ کہتے ہی رہ گئے کہ "یا رسول اللہ! زیادتی میری ہی طرف سے تھی"۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ "کیا تم لوگ میرے دوست اور ساتھی کو چھوڑ دینا چاہتے ہو؟ میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں، تو تم کہتے تھے کہ جھوٹ کہتے ہو اور ابوبکر رضؓ نے میری تصدیق کر دی تھی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں رات کی نماز پڑھنے کے لئے اٹھے تو آپ کے بعض اصحاب آپ کی حفاظت و نگرانی کرنے لگے۔ نماز پڑھ لینے کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا کہ آج رات پانچ چیزیں خصوصیت کے ساتھ مجھے دی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے یہ امتیازات کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں دیئے گئے تھے۔ (۱) یہ کہ میں دنیا جہان کے لوگوں کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں اور اس سے پہلے کوئی بھی رسول صرف اپنی قوم ہی کی طرف رسول ہو کر آتا رہا ہے۔ (۲) مجھے صرف رُعب ہی سے دشمن پر نصرت حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ میرے اور اس کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہو۔ مگر اُس پر میرا رُعب چھا جاتا ہے۔ (۳) مالِ غنیمت میرے اور میری امت کے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ لیکن مجھ سے پہلے مالِ غنیمت کو کھا جانا گناہِ کبیرہ تھا اُس کو جلا دیا جاتا تھا۔ (۴) ساری زمین میرے لئے پاک ہے اور مسجد ہے، جہاں کہیں نماز کا وقت آیا اسی مٹی سے مسح کیا اور اسی مٹی پر نماز پڑھ لی۔ مجھ سے پہلے کے لوگ صرف اپنے گرجاؤں، کنیسوں اور مندروں میں عبادت کرتے تھے۔ (۵) پانچویں یہ چیز کہ مجھ سے کہا گیا کہ ایک چیز کی اجازت ہے مانگ لو۔ ہر نبی نے بھی اپنی پسندیدہ چیز کی درخواست کی ہے۔ میں نے اپنا سوال یوم قیامت پر اُٹھا رکھا اور وہ تمہارے لئے ہے اور قائلِ توحید کے لئے ہے۔ اس کی اسناد بہت قوی اور جید ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت[1] سے کسی یہودی یا نصرانی نے میرے آنے کی خبر سُن لی۔ مگر مجھ پر ایمان نہیں لایا تو جنت میں نہیں جا سکتا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں ایک دوسری طرح سے ہے۔ مگر سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ قولِ باری ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہت اسی کی ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے بھیجا وہ ہر شئے کا خالق ہے، رب ہے، مالک ہے، مارنا اور جلانا اسی کی قدرت میں ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نبی اُمّی پر ایمان لاؤ۔ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تم ان کا اتباع کرو، اُن پر ایمان لاؤ، انہیں کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، کتبِ متقدمہ میں انہیں کی بشارت ہے اور کتبِ سابقہ میں نبی اُمّی ہی کے الفاظ سے آپ کی تعریف کی گئی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو اس پر اور اس کے کلمات پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کرے تو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پا جائے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو (دین) حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔

حق نیوش

آگاہ فرمایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسے بھی لوگ ہیں جو امر حق کی پیروی کرتے ہیں، حق کی رہبری کرتے ہیں اور عدل و انصاف کو سامنے رکھتے ہیں، جیسا کہ فرمایا "اہلِ کتاب میں بھی ایک جماعت ہے جو راتوں کو آیاتِ خدا کی تلاوت کرتی ہے اور نمازیں

[1] اگر پانی نہ ملتا ہو ۱۲ منہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو امتیں ہیں ایک "امت دعوت"۔ دوسری "امتِ اجابت"۔ آپ کی امتِ دعوت میں تمام انسان شریک ہیں اور سب کی طرف آپ پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث ہوئے ہیں اور "امتِ اجابت" صرف وہی جماعت ہے جس نے آپ کی دعوت قبول کی اور آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئی۔ اس حدیث میں امت سے مراد امتِ دعوت ہے امتِ اجابت مراد نہیں ہے ۱۲ انظر شاہ۔

پڑھتی ہے۔ اور فرمایا کہ بعض اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، تم پر اور اُن پر جو کچھ اُترا ہے سب کو مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ دوسرے اہلِ کتاب کی طرح اللہ کی آیتوں کو روپے کے لالچ میں نہیں بیچتے۔ اللہ کے پاس ان کو بڑا اجر ملے گا۔ اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ کلامِ حق ہے، ہم اب بھی مسلمان ہیں، اس سے پہلے بھی مسلمان تھے۔ انھیں ان کے صبر کا دو دفعہ اجر دیا جائے گا۔ اور فرمایا کہ جنھیں کتاب دی گئی ہے وہ اس کا حقِ تلاوت ادا کرتے ہیں، یہی مومن لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ وہ لوگ جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے یعنی کتاب، جب یہ کتاب انھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے تو سر کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور سجدے میں ان کا خشوع و خضوع بہت بڑھ جاتا ہے۔

بنی اسرائیل نے جب اپنے انبیاء کو قتل کیا اور کفر اختیار کیا تو وہ بارہ گروہ تھے۔ ان میں سے ایک گروہ بقیہ گیارہ کے عقائد سے بیزار تھا۔ انھوں نے اللہ سے درخواست کی کہ "اے اللہ! ہم میں اور اُن میں تفریق کر دے۔" تو اللہ نے زمین کے اندر ان کے لئے ایک سُرنگ پیدا کر دی وہ اُس میں چلتے رہے یہاں تک کہ اسی راہ ملک چین میں جا نکلے۔ وہاں ہمارے موحّد مسلمان تھے جو ہمارے ہی قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ اب زمین پر رہو بسو۔ اور جب وعدۂ آخرت آئے گا تو ہم تمھیں حاضر کریں گے۔ کہتے ہیں کہ سُرنگ میں ڈیڑھ سال تک چلتے رہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ

اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعتیں مقرر کر دی اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے موسیٰ کو حکم دیا جبکہ انکی قوم نے اُن سے پانی مانگا کہ اپنے اس عصا کو

بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ

فلاں پتھر پر مارو بس (مارنے کی دیر تھی) فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (چنانچہ) ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ

اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے اُن پر ابر کو سایہ فگن کیا اور (ایک انعام یہ کیا کہ) اُن کو ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں (اور اجازت دی کہ) کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٣﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا

اور انھوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ

اُس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) اور (عاجزی سے) جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہونا ہم تمھاری (پچھلی) خطائیں معاف کر دیں گے

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ

جو لوگ نیک کام کریں گے اُن کو مزید براں اور دیں گے سو بدل ڈالا اُن ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی اُن سے

قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿٥﴾

فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے اُن پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔

ان تمام آیتوں کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے وہ مدنی سورت ہے اور یہ سیاقِ آیت مکی ہے۔ ان آیتوں اور اُن آیتوں کا فرق بھی ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَسْـَٔــلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ

اور آپ ان (اپنے معاصر یہودی) لوگوں سے (بطور تنبیہ) اُس بستی والوں کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے اُس وقت کا حال پوچھئے جبکہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد (شرعی) سے نکل رہے

حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَأْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ①

ہفتہ کے روز تو ان (کے دریا) کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر انکے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں ہم انکی اس طرح پر (شدید) آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ

احکام اللہ سے تلاعب کا عبرتناک انجام

اللہ پاک کا قول ہے: وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ یعنی تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو سنیچر کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کر گئے۔ اللہ پاک اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے کہ جو یہودی تمہارے پاس ہیں ان سے ان لوگوں کے واقعات دریافت کرو جنھوں نے امر خداوندی کی مخالفت کی۔ پھر ان کی سرکشی کی کیسی سزائیں دی گئیں اور انھیں اس بات کے نتیجۂ بد سے ڈراؤ جو تمہاری ان صفات کو چھپاتے ہیں جو اپنی کتابوں میں پاتے ہیں تاکہ اس زمانہ کے یہودی بھی اسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں جن میں ان کے پہلے مبتلا کئے گئے تھے۔
اس بستی کا نام ایلہ تھا اور یہ بحر قلزم کے کنارے پر واقع تھی۔ اور اس آیت میں کہ "ان بستی والوں سے پوچھو جو سمندر کے کنارے رہتے ہیں" جس بستی کا ذکر ہے اس کا نام از روئے بیان ابن عباس ایلہ تھا جو مدین اور طور کے درمیان واقع ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام متنا ہے اور وہ مدین اور عینونا کے درمیان ہے۔ یعدون کا مطلب ہے کہ وہ یوم سبت کے بارے میں حکم خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس دن تو وہ مچھلیاں کثرت سے چڑھی آتی تھیں اور پانی پر پھیل جاتی تھیں۔ اور جب سنیچر کا دن نہیں ہوتا تھا تو کنارے تک ہرگز نہ آتیں۔ یہ ہم نے کیوں کیا؟ صرف اس لئے کہ ان کی اطاعت کو آزمائیں کہ شکار کی ممانعت والے روز تو مچھلیاں خلاف توقع زد میں رہتیں۔ اور جن دنوں شکار حلال ہے چھپ جائیں۔ یہ ایک آزمائش تھی کیونکہ وہ طاعت اللہ سے کوتاہی کرتے تھے۔ لیکن ان لوگوں نے خدا کی حرمت کو توڑنے کے لئے مختلف طریقوں سے حیلے ڈھونڈھے۔ اور ممنوع کا ارتکاب کرنے کے لئے چور دروازے سے گھسنا چاہا اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہ کرو جیسا کہ یہود نے کیا کہ حیلے سوچ سوچ کر حرام کو حلال کر لیا۔

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا

اور (اس وقت کا حال پوچھو) جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جنھیں اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا انکو سخت سزا دینے والے ہیں

قَالُوْا مَعْذِرَةً إِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ② فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ أَنْجَيْنَا

انھوں نے جواب دیا کہ محض اپنے (اور اپنے) رب کے روبرو عذر کرنے کیلئے اور (نیز) اس لئے کہ شاید یہ ڈر جاویں (سو آخر) جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو انکو سمجھایا جاتا تھا (یعنی نہ مانا)

الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَأَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا

تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو (حکم مذکور میں) زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں

يَفْسُقُوْنَ ③ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ④

پکڑ لیا　　یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو (بطور قہر) کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ

امر بالمعروف کی برکات

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بستی والے تین قسم کے ہو گئے۔ ایک تو وہ جنھوں نے ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنے کا حیلہ اختیار کر کے ممنوع کا ارتکاب کیا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ جنھوں نے ان مرتکبین گناہ کو منع کیا، روکا اور اس فعل میں ان سے الگ رہے۔ اور تیسری وہ جماعت جو اس بارے میں بالکل خاموش رہی نہ خود ایسا کیا نہ کرنے والوں کو روکا۔ بلکہ منع کرنے والوں سے کہا کہ "ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ جنھیں اللہ ہلاک کرنا اور عذاب دینا چاہتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ مستحق عذاب ہو گئے ہیں نصیحت کا کوئی اثر نہیں لیتے۔" تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کے پاس ہم تو معذور سمجھے جائیں

کہ کیوں نہیں روکا تھا۔ کیونکہ اچھی باتیں سکھانا اور بُری باتوں سے روکنا چاہئے۔ بعض نے مَعْذِرَۃٌ کے بجائے مَعْذِرَۃً پڑھا ہے۔ یعنی یہ معذرت ہے اور بعض نے معذرۃٌ یعنی ہم معذرت کی خاطر اُنھیں روکتے ہیں اور کیا عجب کہ وہ اس فعل سے باز آجائیں اور خدا کے پاس توبہ کرلیں لیکن جب انھوں نے قبولِ نصیحت سے انکار کر دیا تو جو لوگ اس بُرائی سے انھیں روک رہے تھے ان کو تو ہم نے بچالیا اور ان ارتکابِ معصیت کرنے والے ظالموں کو ہم نے پکڑ لیا اور انھیں دردناک عذاب دیا۔ یہاں روکنے والوں کی نجات اور گنہگاروں کی ہلاکت بتائی گئی اور غیر جانب دار لوگوں کے بارے میں سکوت اختیار کر لیا گیا۔ اس لئے جزا ویسی ہی ہوتی ہے جیسا عمل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نہ مستحقِ مدح ہوئے کیونکہ مدح کے قابل کام نہیں کیا تھا اور نہ مستحقِ مذمت ہوئے کیونکہ ارتکابِ گناہ نہیں کیا تھا۔ پھر بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا ان کی نجات ہوئی ہوگی یا ہلاکت ہوئی ہوگی۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ مچھلیاں ہفتہ کے روز تو بہت آتیں۔ لیکن دوسرے دنوں میں نہ آتیں۔ اس پر کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ان میں سے بعض لوگ ہفتہ کے روز بھی مچھلیاں پکڑنے لگے تو بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ اس روز تو مچھلیوں کا شکار حرام ہے۔ لیکن ان کی سرکشی قائم رہی۔ لیکن کچھ لوگ انھیں برابر منع کرتے رہے۔ جب اس پر بھی کچھ عرصہ گزر گیا تو روکنے والوں کی ایک جماعت نے بعض دوسری جماعت والوں سے کہا کہ ان کمبختوں کو منع کرنے سے کیا فائدہ؟ ان پر خدا کا عذاب متحقق ہو چکا ہے۔ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو۔ یہ لوگ منع کرنے والوں کی بہ نسبت راہِ خدا میں زیادہ غضبناک تھے۔ چنانچہ منع کرنے والوں نے کہا کہ خدا ہمیں معاف کرے ہم معذرت کرتے ہیں۔ گویا یہ دونوں جماعتیں بھی منع کرنے والوں کی تھیں چنانچہ جب خدا کا غضب نازل ہوا ہے تو یہ دونوں جماعتیں تو بچ گئیں اور یہ چور دروازے سے بھاگنے والے سرکش گنہگار بندر بنا دیئے گئے۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عباس کے پاس آیا وہ آبدیدہ تھے اور مصحف ان کی گود میں تھا۔ میں اس بات کو اہم سمجھ کر اُن کے پاس گیا۔ آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ انھوں نے کہا قرآن کے یہ ورق رُلا رہے ہیں۔ سورۂ اعراف زیرِ تلاوت تھی۔ کہنے لگے ایلہ کیا ہے جانتے ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ وہ کہنے لگے ایلہ میں یہود لوگ بستے تھے انھیں ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی۔ ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ہی نکلیں۔ ہفتہ کے دن دریا مچھلیوں سے پٹے رہتے تھے۔ تر و تازہ موٹی اور عمدہ بکثرت مچھلیاں پانی کے اوپر کودتی پھاندتی رہتی تھیں۔ ہفتہ کے سوا دوسرے دنوں میں سخت کوشش کے بعد ملتی تھیں۔ کچھ دنوں تو یہ لوگ حکمِ خدا کی عظمت کرتے رہے۔ اور انھیں پکڑنے سے رُکے رہے۔ لیکن پھر شیطان نے اُن کے دلوں میں یہ خیال قائم کیا کہ ممانعت تو ہفتہ کے روز مچھلیوں کے کھانے کی ہے تم ہفتہ کو انھیں پکڑ سکتے ہو لیکن کھا نہیں سکتے دوسرے روز کھا لینا۔ یہ خیال ایک جماعت کا ہو گیا لیکن دوسری جماعت نے کہا کہ کھانے اور پکڑنے دونوں کی ممانعت ہے غرض یہ کہ اس بحث کے بعد جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ اپنی عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے نکلے۔ ان کے داہنی طرف روکنے والی جماعت تھی جو اُن سے الگ رہی۔ اور بائیں طرف دوسری جماعت تھی جس نے خاموشی اختیار کر لی۔ سیدھی جانب والوں نے کہا "دیکھو ہم تمھیں منع کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن جاؤ" اور بائیں طرف والوں نے کہا کہ "ارے اس ہلاک ہونے والی اور مبتلائے عذاب ہونے والی قوم کو کیا نصیحت کر رہے ہو۔ یہ کہیں ماننے والے ہیں؟" اصحابِ یمین نے کہا۔ خدا ہمیں معاف کرے۔ اس لئے ہم روک رہے ہیں کہ شاید رُک جائیں۔ ہماری تو دلی خواہش ہے کہ وہ گرفتارِ عذاب نہ ہوں اگر وہ باز نہ آئے تو خدا معاف کرے۔ لیکن وہ لوگ خطا پر قائم رہے تو انھوں نے کہا اے دشمنانِ خدا تم نے نہ مانا۔ خدا کی قسم ہم کو تو اندیشہ ہے کہ تم پر دن بھی نہ نکلے گا یا تو زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے یا پتھر برس پڑیں گے یا ایسا ہی کوئی اور عذاب۔ یہ منع کرنے والے اور چپ رہنے والے عذابِ خدا سے ڈر کر شہر سے باہر ہی رہ گئے۔ اور یہ گنہگار شہر کے اندر رہے۔ شہر پناہ کا دروازہ اندر سے لگا لیا۔ اب باہر رہنے والے صبح ہی فصیل کے دروازے پر پہنچے۔ لوگ باہر نکلے ہوئے نہیں تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ بہت کچھ کھٹکھٹایا۔ آوازیں دیں۔ لیکن کچھ جواب نہ ملا۔ اب فصیل کی دیوار کے اوپر سیڑھیاں لگا کر چڑھے۔ دیکھا کہ یہ سب بندر بنے ہوئے ہیں۔ ان کی لمبی لمبی دُمیں ہیں۔ اب شہر پناہ کا دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے۔ ان بندروں

ف اگر کوئی شخص کسی گناہ پر اصرار کرتا ہے اور سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس کے لئے مقدر ہو چکا اسی وجہ سے ان لوگوں نے بھی ان کی سرکشی وغیرہ کو دیکھ کر سمجھا کہ اب خدا تعالیٰ کا قہر و عذاب ان کے لئے طے ہے جب ہی تو اپنی حرکتوں کو نہیں چھوڑ رہے ہیں ۱۲ انظر شاہ

نے اپنے عزیزوں کو پہچان لیا لیکن انسانوں نے اپنے عزیز بندروں کو نہیں پہچانا۔ یہ بندر نزدیک آتے، اُن کے پاؤں پر لوٹتے۔ تو انسان اُن سے کہتے کہ کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے تو سر ہلا کر کہتے کہ ہاں۔ پھر ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی "جب انھوں نے نصیحت نہیں مانی۔ تو منع کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا اور ظالموں کو مبتلائے عذاب کر دیا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منع کرنے والوں کو تو میں جانتا ہوں کہ نجات پا گئے۔ لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا۔ مصیبت تو یہ ہے کہ ہم بھی لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن انھیں کچھ نہیں کہتے تو عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ میں آپ پر فدا یہ دوسرے بھی تو ان گنہگاروں سے بہت ناراض تھے اور ان کی مخالفت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس ہلاک ہونے والی قوم کو نصیحت کر کے کیا کرو گے اس سے ظاہر ہے کہ وہ عذاب میں شریک نہیں بنائے جا سکتے۔ تو ابن عباسؓ نے خوش ہو کر مجھے دو اچھے کپڑے انعام میں دیئے۔ کہتے ہیں کہ یہ مچھلیاں ہفتہ کے روز ساحل پر بہت دکھائی دیتیں اور شام ہو جاتی تو دوسرے ہفتہ کے آنے تک نہ دکھائی دیتیں۔ ایک وقت ایک آدمی جال ڈوریاں اور میخیں لے کر گیا اور وہاں لگا دیا ایک بڑی سی مچھلی ہفتہ کے روز اُس میں لگ گئی اور ہفتہ کا دن گذرنے پر جب اتوار کی رات آئی تو یہ مچھلی پکڑ کر اور بھون کر کھانے لگا۔ مچھلی کی بو پا کر لوگ اس کے پاس دوڑ آئے اُس سے پوچھا، اس نے انکار کیا۔ اور جب بہت اصرار کیا تو کہہ دیا کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی تھی۔ اور جب دوسرا ہفتہ آیا تو پھر ایسا ہی کیا۔ اور شب یکشنبہ میں اس کو بھون کر کھایا۔ لوگوں نے مچھلی کی خوشبو پائی تو پھر آ کر پوچھا۔ تو کہا تم بھی ایسا ہی کرو جیسا میں کرتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا تو کیا کیا کرتا ہے۔ اس نے انھیں اپنا حیلہ بتا دیا۔ تو دوسرے لوگ بھی اس حیلے پر عمل کرنے لگے۔ حتیٰ کہ یہ بات بہت عام ہو گئی۔ ان کا ایک شہر تھا اس کو ربعض کہتے تھے۔ اس شہر کا دروازہ رات میں بند کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ رات ہی رات میں ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ ان کے پڑوس کے دیہاتی جو اُن کی بستی کے اطراف ہی رہتے تھے اور صبح طلب معاش میں شہر کے اندر جاتے تھے تو دروازے کو بند پایا، آوازیں دیں، جواب نہ ملا۔ دیوار کے اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہ بندر بن چکے تھے، نزدیک آ رہے تھے اپنے لوگوں سے لپٹ رہے تھے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی ہے۔ وہاں دیکھ لینا کافی ہے۔ دوسرا قول ایک یہ بھی ہے کہ ساکت رہنے والے لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ انھیں بھونتے اور کھاتے دیکھ کر بھی منع نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک جماعت نے منع کیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ عمل عام طور پر تقلید کیا جانے لگا۔ تو ان بعض لوگوں نے کہا کہ کیوں ان ظالموں کو منع کرتے ہو۔ انھیں عذاب شدید سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ ہم تو ان کے اس عمل سے سخت ناراض ہیں۔ ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ یہ تین فریق تھے ان میں سے صرف منع کرنے والے بچے۔ باقی دونوں مبتلائے عذاب ہوئے۔ لیکن عکرمہ کے کہنے کے بعد پھر ابن عباس رضؓ نے اپنے قول سے گویا رجوع کر لیا کیونکہ انھیں انعام میں حلہ اور لباس دیا۔ اور اس قول سے تو یہ رجوع والا قول بہتر ہے کہ سکوت اختیار کرنے والے لوگ بھی نجات پا گئے تھے۔ اور قول باری اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِیْسٍ سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ ان کے سوا دوسرے دو قسم کے جو لوگ بچ گئے اُنھیں ضرور نجات مل گئی ہو گی۔ بَئِیْسٍ کے معنی شدید کے ہیں یا الیم کے ہیں یا دردناک ہیں۔ یہ سب معنی آپس میں قریب اور ایک دوسرے کے مناسب ہیں۔ واللہ اعلم۔ خٰسِئِیْنَ کے معنی ذلیل و حقیر کے ہیں۔

۱۶۷ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور وہ وقت یاد کرنا چاہیے کہ جب آپ کے رب نے یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر قیامت (کے قریب) تک ایسے (کسی نہ کسی) شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید کی تکلیف پہنچاتا

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾

بلاشبہ آپ کا رب واقعی (جب چاہے) جلدی ہی سزا دیدیتا ہے اور بلاشبہ وہ واقعی اگر کوئی باز آ جائے (تو) بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا (بھی) ہے

ابدی پھٹکار تَاَذَّنَ بروزن تَفَعَّلَ اذان سے مشتق ہے یعنی حکم دیا یا معلوم کرایا۔ اور چونکہ اس آیت میں قوتِ کلام کی شان ہے اس لئے

۵۸ یعنی جو لوگ نہ تو خود اس سرکشی میں مبتلا تھے اور نہ ہی گناہ گاروں کو اس اقدام سے روکتے تھے بلکہ منع کرنے والوں سے بھی کہتے تھے کہ تم بھی ان کو منع نہ کرو کیونکہ یہ ہرگز نہ مانیں گے ان ہی کے بارے میں ابن عباسؓ کہہ رہے ہیں کہ مجھکو معلوم نہیں کہ ان کا انجام کیا ہوا ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

لَیَبۡعَثَنَّ کا (ل) معنائے قسم کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس لئے (ل) کے بعد ہی یَبۡعَثَنَّ لایا گیا۔ ھو کی ضمیر یہود کی طرف ہے۔ یعنی اللہ نے حکم لگا دیا ہے کہ ان یہودیوں پر قیامت تک برابر عذاب نازل ہوتا رہے گا۔ یعنی ان کے عصیان و مخالفت اور ہر بات میں حیلہ جوئی کے سبب انھیں ذلت و حقارت کا عذاب ملتا رہے گا۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ ؑ نے ان پر سات یا تیرہ سال تک خراج لگا رکھا تھا۔ اور سب سے پہلے خراج آپ ہی نے لگایا۔ پھر ان یہودیوں پر یونانیوں کشدانیوں، کلدانیوں کا تسلط رہا۔ پھر نصرانیوں کے تحت غضب رہے۔ وہ انھیں ذلیل کرتے رہے، جزیہ اور خراج لیتے رہے، اسلام آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنا غلبہ رکھا۔ وہ ذمی بنے جزیہ دیتے تھے۔ پھر آخر کار وہ دجال کے مددگار بن کر نکلیں گے۔ لیکن مسلمان اُن کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ ؑ اس غرض میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ یہ سب قربِ قیامت کے وقت ہوگا۔ قولہ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ج یعنی اللہ تعالیٰ گنہگاروں سے بہت جلد بدلہ لینے والا ہے۔ لیکن وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ جو توبہ کرتا ہے وہ اُسے بخش دیتا ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے کہ عذاب اور رحمت دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے۔ تاکہ عذاب سے ڈرانے کے سبب لوگ یاس میں نہ مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے ترغیب و ترہیب دونوں ساتھ ہیں۔ تاکہ لوگ خوف و رجا کے درمیان رہیں۔

وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اُمَمًا ۚ مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ ۖ وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ

اور ہم نے دنیا میں اُن کی متفرق جماعتیں کر دیں بعضے اُن میں نیک تھے اور بعضے اُن میں اور طرح کے تھے (یعنی بد) اور ہم انکو خوش حالیوں (رحمت و خنا)

وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ یَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ

اور بدحالیوں (بیماری و فقر) سے آزماتے رہے کہ شاید اسی سے باز آجاویں۔ پھر انکے بعد ایسے لوگ اُن کے جانشین ہوئے کہ کتاب (توراۃ) کو اُن سے حاصل کیا اس دنیائے دنی کا مال متاع

هٰذَا الۡاَدۡنٰی وَیَقُوۡلُوۡنَ سَیُغۡفَرُ لَنَا ۚ وَاِنۡ یَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ یَاۡخُذُوۡهُ ؕ اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ

لے لیتے ہیں اور اس کتاہ کو حقیر سمجھ کر کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جاوے گی حالانکہ اگر انکے پاس (پھر) ویسا ہی مال متاع (دین فروشی کے عوض) آ جاتا تھا تو اُسکو لے لیتے ہی تھے کیا

عَلَیۡهِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِیۡهِ ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ

اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں اور انھوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اسکو پڑھ (بھی) لیا اور آخرت والا گھر اُن لوگوں کیلئے (اس دنیا سے)

خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِیۡنَ یُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ وَاَقَامُوا

بہتر ہے جو (اُن عقائد و اعمالِ قبیحہ سے) پرہیز رکھتے ہیں پھر کیا (اے یہود) تم نہیں سمجھتے اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی

الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۷۰﴾

کرتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے

مختلف جماعتیں، مختلف کام

ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گروہ در گروہ کر کے دنیا میں پھیلا دیا۔ جیساکہ فرمایا کہ "اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ زمین پر سکونت پذیر رہو۔ جب آخرت کا دن آئے گا تو ہم پھر تم سب کو جمع کر لیں گے۔ اس بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جو اچھے نہیں۔ جیساکہ جن کہتے تھے کہ ہم میں صالح جن بھی ہیں اور غیر صالح بھی ہمارے بھی مختلف فرقے ہوتے ہیں۔ ہم نے انھیں راحت و آرام کا زمانہ اور خوف و بلا کا زمانہ دے کر دونوں طرح آزمایا تاکہ وہ عبرت حاصل کر کے بُرے کاموں سے باز آجائیں۔ پھر فرمایا کہ "اس کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف ثابت ہوئے کہ کتاب کے وارث ہونے کے باوجود اس دنیا کی تھوڑی سی دولت و شان و شوکت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان جانشینوں میں کوئی خیر نہیں یہ توریت کو پڑھنا صرف اپنا ہی حق سمجھتے ہیں دوسروں کو پڑھاتا نہیں مجاہد ؒ کہتے ہیں کہ اس سے نصاریٰ مراد ہیں بلکہ یہ آیت تو اور بھی عام ہے نصاریٰ اور غیر نصاریٰ سب حق فروشی کرتے ہیں اور اس سے دنیا حاصل کرتے ہیں اور اپنے نفس کو یوں بہلا لیتے ہیں کہ پھر توبہ کر لیں گے۔ لیکن اسی جیسی دوبارہ کوئی وجہ پیدا ہو گئی تو پھر حسب سابق دنیا کے عوض دین

کو بیچ دیا۔ آیتوں میں تحریف کر دی، غلط مسئلہ اور غلط فتویٰ بتا دیا، دنیاوی جو چیز بھی حاصل کرنے کی صورت پیدا ہو گئی پھر نہ حلال کو دیکھا نہ حرام کو۔ لے لیا اور پھر توبہ کرنے کو بیٹھ گئے۔ توبہ کی اور خدا سے مغفرت کی دعا کی اور پھر دنیا کا کوئی مال سامنے آیا تو پھر ان کے قدم ڈگمگائے۔ خدا کی قسم یہ بڑے ناخلف لوگ تھے۔ انبیاء ؑ کے بعد یہی لوگ توریت و انجیل کے وارث تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میں ان سے عہد بھی لے لیا تھا۔ اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان اچھے لوگوں کے بعد ایسے بُرے جانشین آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سے لمبی چوڑی اُمیدیں باندھ رکھیں اور اپنے نفس کو دھوکا دیتے گئے۔ دنیا کمانے کا موقع آیا تو پھر کچھ نہ دیکھا، کوئی چیز گناہ کے ارتکاب سے انھیں نہ روک سکی، جو ملا کھا گئے، نہ حلال کی پرواکی نہ حرام کی۔ بنو اسرائیل کا جو قاضی ہوتا تھا وہ رشوت خور ہوتا تھا ان کے اچھے لوگ اس رشوت خور حاکم کو نکال کر دوسرے کو لاتے۔ اس کو تاکید رہتی کہ رشوت لے کر مقدمات کا فیصلہ نہ کیا کرے۔ وہ وعدے وعید کر کے جب قاضی، اور جج بن جاتا تو دونوں ہاتھوں سے رشوت لینے لگتا اور کہتا کہ ارے اللہ بخشنے والا ہے۔ دوسرے اس پر اعتراض اور طعن و تشنیع کرنے لگتے۔ لیکن جب یہ رشوت خور مر جاتا، یا معزول کر دیا جاتا اور یہی طعن کرنے والا قاضی بنا دیا جاتا تو یہی شخص خود رشوت لینے لگتا۔ اسی لئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ دنیا ان کے پاس آئی اور اُنھوں نے اُسے سمیٹنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا کتاب میں ان سے عہد نہیں لیا گیا تھا کہ حق بات کے سوا کوئی دوسری بات خدا کی طرف منسوب نہ کرنا۔ عہد یہ لیا گیا تھا کہ لوگوں کو حق بات کی تلقین کیا کرنا اور امرِ حق کو چھپانا نہیں۔ لیکن انھوں نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑے سے روپیوں کی خاطر آیتوں میں تحریف کر دی، یا اُن کا غلط مطلب نکال لیا۔ ان کی یہ کمائی کیا بُری کمائی ہے۔ وہ خدا سے تمنا رکھتے ہیں گناہوں کی بخشش کی۔ بخشش کی آرزو تو رکھتے ہیں مگر گناہوں کو چھوڑتے نہیں، توبہ پر قائم رہتے نہیں۔ اگر خدا سے ڈرنا چاہو تو دارِ آخرت تمھارے لئے بہتر ہے دنیا پہ کیوں جان دیئے جاتے ہو۔ کیا اتنی سی بات سمجھتے نہیں کہ اللہ پاک بڑے اجر کی ترغیب دے رہا ہے اور گناہوں کے نتیجۂ بد سے ڈرا رہا ہے۔ ان دین بیچنے والوں کو کیا ذرا بھی عقل نہیں ہے۔ پھر اللہ پاک ان لوگوں کی تعریف فرماتا ہے جنھوں نے کتابِ خداوندی سے تمسک کر رکھا ہے جو انھیں اتباعِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا رہی ہے اور یہ چیز ان کی کتاب توریت و انجیل میں درج ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو کتابِ خداوندی کو تھامے ہوئے ہیں اُس کے امر و نہی پر عمل کرتے ہیں، گناہوں سے باز رہتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں تو ہم اُن کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اُٹھا کر چھت کی طرح اُن کے اوپر معلق کر دیا اور اُن کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا اور کیا کہ (جلدی) قبول کرو

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۹﴾ ۲۱ ع ۹ ۱۱

جو کتاب ہم نے دی ہے (یعنی تورات اور) مضبوطی کے ساتھ (قبول کرو) اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔

پہاڑ سر پر

اور جب کہ ہم نے اُن کے سروں پر پہاڑ کو مثل سائبان کے لٹکا دیا جیسا کہ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ الخ سے ظاہر ہے۔ اس پہاڑ کو فرشتوں نے ان کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا۔ ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کو ارضِ مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ فرو ہو جانے کے بعد تختیاں اُٹھا لیں۔ اور فریضۂ تبلیغ سے متعلق خدا کا حکم انھیں سُنایا تو انھیں گراں گزرا اور تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ لا کھڑا کیا جیسا کہ سروں پر چھت ہو اور حالانکہ اس کو تھامے ہوئے تھے اور کہا گیا کہ دیکھو یہ خدا کی وحی اور اس کے احکام ہیں۔ اس میں حلال و حرام اور امر و نہی کا ذکر ہے قبول کرتے ہو یا نہیں۔ تو وہ کہنے لگے سُنتے ہیں کیا احکام

لے علماء کی رائے میں یہ وہی "طور" پہاڑ تھا جس پر اکثر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ سے شرفِ ہم کلامی حاصل ہوا تھا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی پہاڑ کا جڑ سے اکھڑنا، فضا میں معلق ہونا نہ تو عقلاً ہی محال ہے اور نہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ ایک حیرت انگیز امر ہے اور اس لئے آیاتِ الٰہیہ میں شمار ہونے کے لائق ہے اس لئے ایسے قرآنی بیانات کو کسی تردد و تاویل کے بغیر قبول کرنا ہی ایمان ہے۔ انور شاہ کشمیری۔

ہیں۔ اگر یہ فرائض اور حدود آسان تر ہیں تو ضرور قبول کر لیں گے۔ نبی علیہ السلام نے کہا جو کچھ بھی ہو قبول کر لو۔ انھوں نے کہا نہیں۔ جب تک کہ ہم واقف نہ ہو جائیں کہ کیا حدود و فرائض ہیں۔ کیسے قبول کر لیں۔ کئی دفعہ یہ سوال جواب ہوا۔ آخر کار پہاڑ کو خدا کا حکم ہوا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آسمان میں اُڑتا ہوا ان کے سروں پر چھا گیا۔ موسیٰؑ نے کہا۔ خدائے عزوجل جو کچھ فرماتا ہے مانتے ہو کہ نہیں؟ اگر توریت اور اس کے احکام کو نہیں مانو گے تو تمھارے سروں پر پہاڑ گر پڑے گا۔ جب انھوں نے دیکھ لیا کہ پہاڑ گرا ہی چاہتا ہے تو سجدے میں بائیں رُخ پر گر پڑے اور داہنی آنکھ سے کنکھیوں کے طور پر پہاڑ کو دیکھ رہے تھے کہ کہیں گر تو نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک یہودی جب بھی سجدہ کرتے ہیں اپنے بائیں رُخ پر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہ سجدہ ہے جو رفعِ عذاب کی یادگار ہو گیا بلکہ کہتے ہیں کہ جب موسیٰؑ نے الواح پھینک دیئے تھے جو خدا کی کتاب ہے اور اس کے ہاں کی تحریر کردہ تھی تو زمین کا ہر پہاڑ، ہر درخت، ہر پتھر لرز اٹھا اور جنبش میں آ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر یہودی جب توریت پڑھتا ہے تو اپنا سر ہلانے اور جھومنے لگتا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ "وہ اپنے سر ہلانے لگتے ہیں" واللہ اعلم۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ ءَادَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ

اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا اور ان سے انھیں کے متعلق اقرار کر لیا کہ کیا میں تمھارا

بِرَبِّكُمْ قَالُوا۟ بَلَىٰ شَهِدْنَآ أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا

رب نہیں ہوں۔ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے

غَٰفِلِينَ ① أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ ءَابَآؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ بَعْدِهِمْ

محض بے خبر تھے　یا یوں کہنے لگو کہ (اصل) شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو اُن کے بعد اُن کی نسل میں ہوئے

أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ ٱلْمُبْطِلُونَ ② وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ ٱلْءَايَٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ③

سو کیا اُن غلط راہ (نکالنے) والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آجاویں

عہدِ الست

ارشادِ باری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی ذریت کو ان کی پشت سے روزِ ازل میں باہر نکالا اور انھوں نے اپنے نفوس پر آپ گواہی دی کہ اللہ ہمارا رب اور مالک ہے خدا وہی ہے اور کوئی نہیں۔ چنانچہ یہی اعتراف فطرتِ انسانی ہے اور یہی اُن کی جبلّت ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ تم اپنی پوری توجہ دینِ حق کی طرف قائم رکھو۔ اللہ نے اسی فطرت پر انسان کی جبلّت بنائی ہے اللہ نے جس چیز کو جس طرح پیدا کر دیا وہ اسی طرح قائم رہے گی اس میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مولود

ف اس سے پہلے ایک خاص قوم سے جو عہد لیا گیا تھا اس کا ذکر تھا اب ایک عام عہد کا یہاں سے ذکر شروع فرمایا گویا کہ "میثاقِ خاص" کے بعد "میثاقِ عام" کا تذکرہ۔ سبحان اللہ کیا اعجازِ بیان، ترتیب اور نادر اسلوب ہے۔ جاننا چاہیئے کہ تمام آسمانی مذاہب کے اصول و فروع اسی "ربوبیت عامہ" کے عقیدہ پر ختم ہوتے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ اس عقیدہ پر بالاتفاق ایک ایسا عہد لیا جائے جس پر نہ کسی کا اختلاف ہو اور نہ یہ صاف اور واضح حقیقت موشگافیوں کی زد میں آئے اس لئے جنابِ باری عزّ اسمہ نے اس مسئلہ میں خود ہی اقدام فرما کر ابو البشر کی پوری اولاد سے یہ عہد لے لیا۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ یہ عہد کب اور کہاں لیا گیا لیکن اس کا کوئی نقصان بھی نہیں۔ جس طرح کہ ایک نامور عالم اور فاضل روزگار شخص کو بہرحال یقین ہوتا ہے کہ اس کو بچپن میں کسی شخص نے یہ حروف اور نقوش سکھائے تھے حالانکہ نہ پہلا معلّم یاد ہوتا ہے نہ پہلی درسگاہ یاد ہوتی ہے اور نہ اس کا محل وقوع۔ بس ایک اجمالی یاد ذہن کے گوشوں میں موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح اس عہدِ الست کا بھی معاملہ ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ تعلیمی خصوصیات و احوال کا محفوظ نہ رہنا اس عہد کے تسلیم کرنے میں خلل انداز نہیں ہے۔ اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب یہ عہد یاد نہیں تو پھر اس کا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ ہر دل اور ہر دماغ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور خالقِ کل ہونے کا عقیدہ اور یقین موجود ہے اور جو شرک کرتا ہے وہ اپنی ناقص عقل کا مظاہرہ کرتا ہے "انظر شاہ کشمیری"+

اور ہر مخلوق اپنی فطرت پر پیدا ہوئی ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو شرک سے ہٹا کر پیدا کیا ہے۔ لیکن شیاطین آتے ہیں اور دینِ حق سے اُس کو پھیر دیتے ہیں اور میں نے جو حلال رکھا ہے اس کو حرام کر دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر مولود اسی مذہب اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے کہ مویشی بھلے چنگے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے کان کاٹ کر ان کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اسود بن سریع کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار غزوات میں شریک رہا۔ مجاہدین نے کافروں کو قتل کر کے ان کے بچوں کو پکڑ لیا۔ اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ آپ کو یہ حرکت بہت ناگوار گذری۔ کہنے لگے۔ لوگو! کیا ہوا بچوں کو پکڑ رہے ہو۔ کسی نے کہا یا رسول! کیا یہ مشرکین کے بچے نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم میں سے اچھے سے اچھے لوگ بھی تو مشرکین ہی کی اولاد ہیں۔ کوئی جان ایسی نہیں جو اسلام پر پیدا نہ ہوتی ہو اور وہ مسلمان ہی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ ماں باپ کی زبان سیکھتے ہیں اور ماں باپ انھیں نصرانی یا یہودی بنا دیتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ آدمؑ کی صُلب سے ذرّیت لی گئی اور انھیں یا تو اصحابِ یمین یا اصحابِ شمال بنایا اور ان سے گواہی لی گئی کہ اللہ ہی ان کا رب ہے۔ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت ایک دوزخی سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ تو اگر ساری زمین اور اس کے املاک تمھاری مِلک ہوں اور تم سے کہا جائے کہ فدیہ میں یہ سب دے کر کیا نجات حاصل کرو گے؟ تو وہ کہے گا یقیناً ایسا کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تم سے اس سے بہت ہی کم کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے آدمؑ کی پشت ہی میں تم سے عہد لے لیا تھا کہ کسی کو میرا شریک نہ بناؤ گے لیکن تم شرک کر بیٹھے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ مقامِ نعمان میں بروز عرفہ روحوں سے وعدہ لیا گیا تھا۔ اور آدمؑ کی صُلب سے نکال کر انھیں ذرّوں کی طرح پھیلا دیا گیا تھا اور اُن سے یوں گفتگو ہوئی تھی کہ "بتاؤ! کیا میں تمھارا رَبّ نہیں" سب رُوحیں کہنے لگیں "کیوں نہیں ضرور"۔ جریر سے روایت ہے کہ ضحاک بن مزاحم کا لڑکا مر گیا جو صرف چھ دن کا تھا۔ تو ضحاک نے کہا کہ اے جابر جب تم اس کو لحد میں رکھو تو اس کا چہرہ قبر میں کھلا رکھنا کیونکہ بچے کو بٹھایا جائے گا۔ اور اس سے سوال بھی ہوگا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ فارغ ہونے کے بعد میں نے ضحاک سے پوچھا کہ تمھارے بچے سے کیا پوچھا جانے والا ہے اور کون پوچھے گا؟ تو کہا اس سے میثاقِ ازل کے بارے میں سوال ہوگا۔ جب کہ صُلبِ آدم میں روحوں سے اقرارِ عبودیت لیا گیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا اقرار ہے؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جب صُلبِ آدم کو چھوا تو اس سے وہ رُوحیں نکل پڑیں جو قیامت تک نسلِ آدم سے ہونے والی ہیں۔ پھر ان سے وعدہ لیا گیا کہ عبادت صرف اللہ کی کریں گے اور کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ پھر اللہ پاک اُن رُوحوں کے رزق کا تکفیل بنا اس کے بعد صُلبِ آدم میں انھیں واپس کر دیا گیا جب تک یہ اہلِ میثاق پیدا ہوتے رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ اب ان میں سے جس کو میثاقِ آخر سے سابقہ پڑے گا اور وہ اس کو بطریقِ احسن پورا کرے گا تو اسی کو میثاقِ اوّل بھی نفع دے سکتا ہے اور جو میثاقِ آخر میں کامیاب نہیں۔ اس کو میثاقِ اول بھی نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتا اور جو بچپن ہی میں مر گیا قبل اس کے کہ میثاقِ آخر کی نوبت آئے اور دنیا میں اچھے اچھے کام انجام دے۔ تو سمجھا جائے گا کہ وہ میثاقِ اوّل یعنی ازل کے وعدہ پر قائم ہے جو بنائے فطرتِ اسلام ہے۔ اس تمام تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ان تمام باتوں سے بخوبی واقف تھے۔ واللہ اعلم۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے ذرّیات نکالیں تو اس طرح ذرّیات نکلیں جیسے کنگھی کرنے میں بال کنگھی کے اندر ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا "کیا میں تمھارا رَبّ نہیں ہوں؟" تو روحوں نے کہا کہ تو ضرور ہمارا رب ہے۔ فرشتے کہنے لگے کہ ہم گواہ ہیں کہ قیامت کے روز کہیں تم یہ نہ کہہ بیٹھو کہ ہمیں تو اس کا کوئی علم نہیں۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کر کے ان کی پیٹھ پر جب ہاتھ پھیرا تو ذرّیات نکلنا شروع ہو گئیں۔ تو فرمایا کہ فلاں فلاں تو جنتی ہیں کیونکہ اہلِ جنت ہی کا سا عمل کریں گی اور یہ دوزخی ہیں کیونکہ اہلِ نار کا سا عمل کریں گی۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! جب یہ وہیں طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کا کیا فائدہ رہا؟ تو فرمایا کہ اللہ کا وہی بندہ جنت کے لئے پیدا ہوا ہے جس کے عمل جنتیوں کے سے ہوں گے اور سمجھو کہ دوزخی وہی ہے جو دوزخیوں کے سے کام کرے اور اسی عملِ بد پر قبل از توبہ اس کا دم ٹوٹے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رُوحیں صُلبِ آدم سے ظاہر ہوئیں تو ہر انسان کے ماتھے پر ایک روشنی چمک رہی تھی۔ ان تمام

نسل کو آدم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آدم نے پوچھا۔ اے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا گیا۔ یہ سب تمہاری نسل ہے۔ ایک شخص کے چہرے پر بہت زیادہ روشنی تھی۔ پوچھا یا رب! یہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ "ایک عرصۂ دراز کے بعد تمہاری نسل سے ایک شخص ہو گا جس کو داؤد کہیں گے۔ آدم نے پوچھا یا رب! اس کی کیا عمر ہو گی؟ کہا ساٹھ برس۔ تو آدم نے کہا۔ یا رب! میں نے اپنی عمر میں سے چالیس سال اس کو دے دیئے۔ لیکن جب آدم کی عمر ختم ہو گئی، ملک الموت آئے تو آدم نے کہا کہ ابھی سے کیوں آ گئے ابھی تو چالیس سال میری عمر کے باقی ہیں۔ تو کہا گیا کہ یہ چالیس سال کیا تم نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے۔؟ تو آدم نے انکار کیا، چنانچہ ان کی نسل میں بھی انکار کی عادت پڑ گئی اور چونکہ آدم بھول گئے تھے اس لئے بھول چوک بھی اولادِ آدم کی خصلت بن گئی۔ اور آدم سے چونکہ خطا سرزد ہو گئی تھی اس لئے خطا کرنا بھی اولادِ آدم کی فطرت ہے۔ جب آدم نے اپنی ذریت کو دیکھا تھا تو ان میں بیمار بھی تھے۔ جذامی اور برص والے بھی تھے، اندھے وغیرہ بھی تھے۔ آدم نے کہا یا رب! یہ ایسے کیوں بنا دیئے گئے؟ فرمایا تاکہ انسان ہر حال میں میرا شکر کرے۔ آدم نے پوچھا یا رب! یہ کون ہیں جو سراپا نور ہیں!؟ کہا گیا یہ انبیاء ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اعمال از سرِ نو بار آور ہیں۔ یا جو کچھ طے ہو گیا سو ہو گیا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے ذریت نکالی۔ پھر انہیں کی اپنی زبان سے توحیدِ خدا کی گواہی لی، پھر دو مٹھیاں ان سے بھریں اور کہا یہ تو ٹھہرے جنتی اور وہ ٹھہرے دوزخی۔ اگرچہ عمل پر جنت و دوزخ کا انحصار ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اہلِ جنت کے سے عمل کرنا کس پر آسان رہے گا۔ اور کس پر دوزخیوں کے سے عمل کرنا آسان رہیگا اب اسی بنا پر وہ جنتی یا دوزخی ہوں گے۔ کچھ ہم نے ازل میں انھیں جنتی یا دوزخی نہیں بنایا۔ ان کے اعمال اس کے ذمہ دار ہیں۔ البتہ ہم ابھی سے دونوں کا علم رکھتے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ فلاں جنتی ہوں گے اور فلاں دوزخی۔ یہ تقسیم ہمارے کہہ دینے کی بنا پر نہیں ہوئی ہے بلکہ عمل کی بناء پر ہوئی ہے ہم نے ابوہریرہ رضؓ کی حدیث کی وضاحت کی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے قسمت بنا دی تو سیدھے جانب بھی روحیں تھیں اور بائیں جانب بھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ دونوں نے اعتراف کیا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ پھر سیدھے بائیں دونوں طرف کی روحیں ملا دی گئیں۔ کسی نے خدا سے پوچھا یا رب یہ دونوں ممتاز طور پر تھے خلط ملط کیوں کر دیا گیا۔ خدا نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں اپنے اپنے عمل کے سبب وہ اب بھی ممتاز رہیں گے۔ ملا دینے پر بھی نیک و بد دونوں کا آپس میں کوئی ملاپ نہیں۔ ہم ایسا نہ کرتے تو قیامت کے دن گنہگار کہتے کہ ہم کو تو اس کا کوئی علم ہی نہیں تھا۔ اور نیک تو کسی صورت میں نہ کہتے۔ اب بات صرف عمل پر رہ گئی ہے تو گنہگاروں کو اعتراض کرنے اور ناواقفیت کا عذر کرنے کا حق نہیں رہا۔ یہ ہم نے ابو امامہ کی حدیث کی وضاحت کی ہے۔ قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں کو شکلیں دی گئیں۔ بولنے کی قوت دی ان سے میثاق لیا اسی میثاق پر آسمان و زمین گواہ بنائے گئے۔ آدم بھی گواہ ہوئے ورنہ قیامت میں تو وہ صاف انکار کر بیٹھتے۔ جان لو کہ خدا کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ میں تمہارے پاس پیغمبر بھیجوں گا تاکہ وہ تم کو عہد و میثاق یاد دلائے۔ میں کتابیں بھیجوں گا۔ تو روحوں نے کہا کہ تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں، خدا کی طاعت کا اقرار کیا۔ آدم ان کے سامنے لائے گئے۔ آدم نے دیکھا کہ ان میں غنی بھی ہیں اور فقیر بھی، خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی۔ کہا گیا یا رب! سب لوگ ایک ہی حالت میں کیوں نہیں پیدا کئے گئے؟ تو کہا کہ مجھے یہ محبوب تھا کہ دیکھوں شاکر و صابر کون ہے۔ سب ایک ہی جیسے ہوتے تو یہ امتحان کہاں ہو سکتا۔ انبیاء ان لوگوں میں نور بھرے چراغ کے مانند تھے۔ یہ رسالت و نبوت دوسرا میثاق تھا کہ خدا کی توحید کے اقرار کے بعد اقرارِ رسالت بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے نبیوں سے بھی میثاق لیا ہے وہ یہ کہ دینِ حنیف پھیلانے کے لئے عزمِ مصمم کر لو جو ایک فطری دین ہے۔ اس اشہاد سے غرض یہ بھی کہ انسان فطرتِ توحید پر پیدا شدہ ہے۔ اسی لئے مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ کہا گیا نہ کہ مِنْ اٰدَمَ۔ یعنی نہ صرف آدم بلکہ آدم کی ساری اولاد فطرتِ توحید پر مخلوق ہے اور اسی لئے مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کہا گیا نہ کہ مِنْ ظَهْرِهٖ یعنی سب بنی آدم کی نسلوں سے نسل بعد نسل۔ جیسا کہ فرمایا کہ اس نے تم سب کو فرداً فرداً زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ اور فرمایا "جیسا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا دوسری قوموں کی ذریت سے" اور خود آپ اپنا انہیں گواہ بنایا جب کہ تو گواہی دی کہ "ہاں تو ہمارا رب ہے"۔ یعنی حالاً و قالاً دونوں طرح وہ معترف رہے۔ کیونکہ شہادت کبھی تو قول کے ذریعہ ہوتی ہے۔ کقولہ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا اور کبھی حال کے ذریعہ ہوتی ہے۔ کقولہ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ

شٰہِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ بِالْکُفْرِ۔ یعنی مشرکین کو کوئی حق نہیں کہ مسجدِ خدا کو بسائیں۔ اپنی ہی ذات پر کفر کی شہادت دیتے ہوئے یعنی ان کا حال ان کے کفر کا شاہد ہے۔ یہ شہادت قولی شہادت نہیں حالی شہادت ہے اور سوال کبھی قال کے ذریعہ ہوتا ہے کبھی حال کے ذریعہ۔ کقولہٖ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ۔ یعنی تم نے جو کچھ مانگا اللہ نے تمھیں دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شرک کرنے پر یہ حجت ان کے خلاف پیش کی۔ پس اگر یہ واقع ہی ہوا ہوتا جیسا کہ ایک قول ہے تو چاہئے تھا کہ ہر ایک کو یاد ہوتا تاکہ اس پر حجت رہے۔ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ فرمانِ رسول سے خبر پا لینا کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو رسولوں ہی کو نہیں مانتے وہ رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو کب صحیح مانیں گے۔ حالانکہ قرآن کریم نے رسولوں کی تکذیب کے علاوہ خود اس شہادت کو مستقل دلیل ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرتِ سلیمہ ہے جس پر خدا نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ فطرت توحیدِ باری تعالیٰ ہے اسی لئے فرماتا ہے کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہم کو تو اس توحید کا علم ہی نہیں تھا اور یہ کہ شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا۔ ان کے ایجاد پر ہمیں سزا کیوں ہو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴﴾

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ اُن سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ

اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا۔ سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی

اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ

کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہی حالت (عام طور پر) اُن لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ اس حال کو

الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵﴾ سَاۗءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۶﴾

بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں (حقیقت میں) اُن لوگوں کی حالت بھی بُری حالت ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور (اس تکذیب سے) وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں

رحمت کے بعد لعنت

بنی اسرائیل میں ایک شخص بلعم بن باعورا نامی اہلِ بلقاء میں سے تھا۔ کہتے ہیں وہ اسم اعظم جانتا تھا۔ یہودی علماء کے ساتھ بیت المقدس میں رہتا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ وہ اہلِ یمن میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی نشانیاں اور کرامتیں دی تھیں۔ لیکن اس نے ناقدری کی وہ مستجاب الدعوات تھا۔ اس کی دعائیں قبول ہو جاتی تھیں۔ لوگ مصیبتوں کے وقت خدا سے دعا مانگنے کے لئے اسی کو آگے بڑھاتے تھے۔ اللہ کے نبی حضرت موسیٰؑ نے اُس کو تبلیغِ دین کے لئے ملک مدین کی طرف بھیجا۔ یہاں کے بادشاہ نے اس کو اپنا بنا لیا اس پر بہت عنایتیں کیں۔ چنانچہ اس نے اس بادشاہ کے دین کو قبول کر لیا اور دینِ موسیٰ کو چھوڑ دیا۔ اس کا نام بلعام تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آمیہ بن ابی صلت ہے ممکن ہے کہ اس کہنے سے یہ مراد ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا اُس کو بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن اس نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو بھی اُس نے پایا تھا۔ آپ کی آیات بینات دیکھی تھیں معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ دینِ خدا میں داخل ہوتے ہوئے ہزاروں کو دیکھا۔ لیکن مشرکین کے میل جول ان میں اس کا امتیاز اور وہاں کی سرداری نے اُسے اسلام اور قبولِ حق سے روک دیا اس نے بڑے مرثیے بدر کے کافروں کے ماتم میں کہے ہیں۔ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مؤمن نہیں ہوا تھا۔ یہ سارا بیان ممکن ہے آمیہ بن ابی صلت سے متعلق ہو اور اس کا بلعام سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بلعام کا ذکر قرآن میں ہو رہا ہے کہ ہم نے اس کو اپنی آیتیں یعنی کرامتیں بخشی تھیں۔ لیکن وہ اُن سے ہٹ گیا یعنی ان سے محروم رہا اللہ تعالیٰ نے اُس کو تین دعاؤں کا حق دیا تھا کہ قبول ہوں گی۔ ایک عورت اور ایک لڑکا اس کا تھا۔ اس کی عورت نے کہا کہ ایک دعا میرے حق میں خاص کر دو۔ اُس نے کہا اچھا کہو کیا دعا ہے۔ عورت نے کہا کہ خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ سارے بنی اسرائیل میں مجھ سے زیادہ حسین کوئی عورت نہ ہو۔ اُس نے خدا سے دعا کی اور وہ حسین ترین عورت بن گئی۔ جب عورت نے

یہ محسوس کرلیا کہ اُس جیسی حسین اب کوئی عورت نہیں تو شوہر سے بے پرواہ اور بے رغبت بن گئی اور اس کے خیالات اور اعمال کچھ اور ہی ہوگئے تو بلعام نے دُعا کی کہ وہ کُتیا بن جائے۔ چنانچہ وہ کتیا بن گئی۔ دو دُعائیں ختم ہوگئیں۔ اس کے لڑکے آکر کہنے لگے کہ ہم سے تو نہیں دیکھا جاسکتا کہ ہماری ماں کُتیا ہو لوگ ہمیں عار دلا رہے ہیں دعا کرو کہ وہ اپنے سابقہ حال پر آجائے۔ چنانچہ دعا کی اور وہ عورت جیسی پہلے تھی ویسی ہی ہوگئی۔ اب تینوں دُعائیں صرف ہوگئیں۔ یہ روایت غریب ہے۔ اس آیت کا سبب نزول جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شخص تھا اور وہ جبارین یہود کے شہر کا رہنے والا تھا' اسم اعظم جانتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کی دُعا منجانب اللہ قبول ہوا کرتی تھی۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا مگر اس کی نبوت چھین لی گئی۔ ابن جریر کا ایسا قول ہے۔ لیکن یہ مطلقاً صحیح نہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ موسیٰ ؑ جب شہر جبارین پر آئے تو بلعام کے پاس اُس کے لوگ آئے اور کہا کہ موسیٰ ؑ ایک مرد آہنی ہے اس کے ساتھ بڑی فوج ہے اگر وہ ہم پر غالب آجائے تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے خدا سے دُعا کرو کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی مصیبت ہم سے دُور ہوجائے۔ اس نے کہا کہ اگر میں ایسی دعا کروں تو میرا دین اور دنیا دونوں تباہ ہوجائیں۔ لیکن لوگ اس کو تنگ ہی کرتے رہے۔ چنانچہ اُس نے ایسی دُعا کی۔ تو خدا نے اس کی بزرگی اور کرامتیں سب اُس سے چھین لیں۔ چنانچہ فرمایا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ۔ یعنی وہ کرامتوں سے محروم ہوگیا۔ یہیں سے شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب موسیٰ ؑ کے لئے میدان تیہہ کی چہل سالہ گردش ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون نبی کو بھیجا۔ انھوں نے بنی اسرائیل کو اپنے نبی ہونے کی خبر دی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ جبارین سے جنگ کرو۔ جبارین نے یوشع کے ہاتھ پر بیعت کی اور تصدیق کی۔ لیکن بنی اسرائیل کا ایک آدمی بلعام نامی نافرمانی کرکے جبارین کے پاس چلا گیا اور اُن سے کہا کہ تم نہ گھبراؤ جب تم لڑنے کے لئے نکلوگے تو میں اپنے بد دُعا کے ہتھیار سے کام لوں گا اور وہ سب ہلاک ہوجائیں گے۔ جبارین کے پاس اس کے دنیوی تمتع کے لئے سب کچھ موجود تھا بجز اس کے کہ وہ اُن کی عورتوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ اُن عورتوں کی عظمت اُن پر چھائی ہوئی تھی وہ مرتِ ابنی ہی۔۔۔۔۔ عورت سے تعلق رکھتا تھا شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ یعنی اس پر چھا گیا۔ اب وہ شیطان کی فرماں برداری کرنے لگا فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ یعنی ہالکین میں سے ہوگیا۔ نیک لوگ بھی بعض وقت بد بن جاتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو تم پر کچھ اس قسم کا اندیشہ ہے جیسے وہ آدمی جو قرآن کا علم رکھتا تھا۔ قرآن کی برکت اور رونق اس کے چہرے سے ظاہر تھی' اسلامی شان تھی۔ لیکن اللہ کی دی ہوئی بدبختی نے اُس کو آگھیرا۔ اسلام کے احکام اُس نے پس پشت ڈال دیئے۔ وہ اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑا۔ یہ الزام لگاکر کہ اُس نے شرک کیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ الزام لگانے والا خطا کار تھا' یا جس پر الزام لگایا گیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ خطا کار الزام لگانے والا تھا ارشادِ باری ہے کہ اگر ہم چاہتے تو دنیا پرستی کی گندگی سے اُس کو بالاتر رکھتے اور جو کرامتیں اُس کو دی تھیں اُن سے اس کو محروم نہ کرتے لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور دنیا میں ایسا پھنس گیا جیسے دوسرے بے سمجھ لوگ۔ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ وہ شیطان کا رفیق کار بن گیا اور پستی اختیار کرلی۔ اس کی سواری نے خدا کو سجدہ کیا۔ لیکن بلعام نے شیطان کو سجدہ کیا۔ ابن سیار سے اس آیت " اور اس شخص کی خبر پڑھو جس کو ہم نے کرامتیں بخشی تھیں " کے بارے میں روایت ہے کہ موسیٰ ؑ نے بنی اسرائیل کو لے کر اس سرزمین کا رُخ کیا جس میں بلعام رہتا تھا۔ یا شام کا رُخ کیا۔ موسیٰ کی فوج کشی سے وہاں کے لوگ گھبرا گئے اور بلعام کے پاس آکر کہنے لگے کہ موسیٰ اور ان کے لشکر کے لئے بد دُعا کرو۔ تو اس نے کہا کہ ٹھیرو میں رب سے مشورہ کرلوں۔ چنانچہ اس نے مشورہ کیا یا استخارہ کیا تو اس سے کہا گیا کہ نہیں بد دعا نہ کرنا۔ کیونکہ وہ میرے بندے ہیں اور ان میں میرا نبی بھی ہے۔ تو اس نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ میں نے رب سے مشورہ کیا لیکن مجھے بد دعا کرنے کی ممانعت ہوئی ہے۔ اب لوگوں نے اس کے پاس بہت سے ہدیے اور تحفے بھیجے۔ چاہیے تھا کہ وہ قبول نہ کرتا۔ لیکن اس نے قبول کرلیا۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر اس کو مجبور کرنے لگے۔ اس نے کہا اچھا پھر مشورہ کروں۔ اب کے اس کو کوئی مشورہ نہ ملا۔ اس نے کہا مجھے کوئی مشورہ نہیں دیا گیا۔ اس لئے بد دُعا نہ کروں گا۔ لیکن لوگوں نے اُس کو بہکایا کہ اگر خدا کو منظور ہی نہ ہوتا تو پہلے کی طرح روک دیتا۔ اب اللہ تعالیٰ خاموش ہے تو گویا تم کو بد دعا کی اجازت ہے۔ چنانچہ وہ دھوکا کھا گیا اور موسیٰ ؑ اور ان کے لشکر کے لئے بد دعا کرنے لگا۔ جب کبھی وہ بد دعا کے الفاظ موسیٰ ؑ کے لئے نکالنا چاہتا تو اپنی ہی قوم کے لئے بد دُعا کے الفاظ زبان سے نکلتے اور اپنی قوم کی فتح کے لئے الفاظ ادا کرنا چاہتا تو موسیٰ ؑ کی فتح کے الفاظ زبان سے نکل جاتے۔ یا " ان شاء اللہ " کی جگہ بھی آخر میں زبان سے

نکل جاتا جس کے سبب بددعا مشروط ہونے کے سبب عبث بن کر رہ جاتی۔ لوگ کہنے لگے۔ ارے تم تو بددعا موسیٰ کے بجائے ہمارے حق میں کر رہے ہو۔ وہ کہتا۔ میں کیا کروں میری زبان سے بلا ارادہ ایسا ہی کچھ نکل جاتا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اگر بددعا کروں گا بھی تو قبول نہیں ہوگی۔ اب میں تم کو ایک تدبیر بتاؤں جس سے یہ لوگ ہلاک ہو سکتے ہیں۔ دیکھو اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے اور فعلِ زنا سے سخت ناراض ہے اگر یہ لوگ کسی طرح زنا میں مبتلا کر دیئے جائیں تو یقیناً ان کی ہلاکت کی امید ہے۔ چنانچہ ایسا کرو کہ ان کی فوج میں اپنے پاس کی عورتیں بھیج دو۔ یہ تو بیوی بچے چھوڑے ہوئے مسافر ہیں کیا عجب کہ زنا میں پڑ جائیں اور ہلاک ہو جائیں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ عورتوں کو موسیٰ ؑ کی فوج کی طرف بھیج دیا حتیٰ کہ بادشاہ کی بیٹی بھی فوج میں اسی مقصد کے لئے آ گئی۔ شہزادی کو اس کے باپ نے یا بلعام نے تاکید کر دی تھی کہ موسیٰ ؑ کے سوا کسی کے تصرف میں نہ آنا کہتے ہیں کہ واقعی لوگ زنا میں پڑ گئے۔ شہزادی کے پاس بنی اسرائیل کا ایک سردار آ پہنچا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے کہہ دیا کہ موسیٰ کے سوا میں اور کسی کو نہ آنے دوں گی۔ سردار نے بتایا کہ میرا عہدہ ایسا برتر ہے اور میری یہ یہ شان و شوکت ہے تو لڑکی نے اپنے باپ کو لکھ بھیجا اور اس بارے میں اس کی ہدایات مانگی۔ تو اس سے کہا گیا کہ ہاں مان جاؤ۔ وہ دونوں جب مصروفِ کار تھے تو ہارون علیہ السلام کا ایک بیٹا وہاں پہنچا اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا ایسا مارا کہ دونوں اپنی موجودہ حالت کے اندر ایک ہی نیزہ میں پرو گئے۔ وہ نیزہ بلند کر کے لوگوں کے سامنے آیا اور لوگ دیکھتے رہ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مرضِ طاعون کا عذاب بھیجا جس سے ستر ہزار آدمی مر گئے۔ ابن یسار کا بیان ہے کہ بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر معلولی تک آیا۔ یہاں سے اس کی سواری آگے نہیں چل رہی تھی وہ اس کو مار رہا تھا اور وہ بیٹھی جا رہی تھی۔ اللہ نے اس کو زبان دی اور وہ کہنے لگی کہ تو مجھ کو کیوں مار رہا ہے۔ سامنے دیکھ کیا ہے؟ دیکھا تو وہاں شیطان کھڑا تھا وہ اتر کر شیطان کو سجدہ کرنے لگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَانْسَلَخَ مِنْهَا۔ سالم ابو النضر کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب ارضِ شام سے بنی کنعان میں آئے تو بلعام کی قوم آ کر ان سے کہنے لگی کہ موسیٰ اپنی قوم کو لے کر ہمارے ملک میں آیا ہوا ہے تاکہ ہمیں قتل کرے اور یہاں انہیں بسائے۔ ہم تمہاری قوم ہیں ہمارا کوئی ٹھکانا نہ رہے گا۔ تم مردِ مستجاب الدعوات ہو۔ خدا سے ان کے لئے بددعا کرو۔ اس نے کہا یہ تمہاری سمجھ ہے۔ موسیٰ ؑ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کی مدد پر فرشتے بھی ہیں اور مومنین بھی ہیں۔ میں کیسے بددعا کروں۔ میں جو جانتا ہوں سو جانتا ہوں لوگوں نے کہا مگر ہم رہیں کہاں۔ اور ہر گھڑی اس پر دباؤ ڈالتے رہے اور عاجزی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے اس کو فتنے میں ڈال ہی دیا۔ چنانچہ وہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف چلا جس پر چڑھ کر بنی اسرائیل کے لشکر کو دیکھے۔ اس کو جبل حسبان کہتے ہیں۔ کچھ دور چلا تھا کہ اس کی سواری بیٹھ گئی اتر کر اس کو مارنے لگا۔ کچھ دور چل کر وہ پھر بیٹھ گئی۔ جب بار بار اس کو مارنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زبان دی اور وہ کہنے لگی کہ "تم آ تو مجھے کدھر لے جا رہا ہے کیا نہیں دیکھتا کہ فرشتے میرے سامنے ہیں مجھے دھکیل کر پیچھے کی طرف واپس کر رہے ہیں۔ تو اللہ کے نبی اور مومنین پر بددعا کرنے کے لئے جا رہا ہے" لیکن وہ باز نہ آیا۔ اور پھر اس کو مارنے لگا۔ چنانچہ اب کی مرتبہ وہ اللہ کے حکم سے حسبان نامی پہاڑی پر چڑھ گئی وہاں پہنچ کر موسیٰ ؑ اور مومنین کے لئے بددعا کرنے لگا لیکن اس کی زبان الٹ جاتی تھی اور بددعا اپنی قوم کے لئے اور دعا موسیٰ کے لئے نکلتی تھی۔ کہتے ہیں کہ بددعا کرنے پر اس کی زبان باہر نکل پڑی اور اس کے سینہ پر لمبی ہو کر لٹک گئی۔ اب وہ بول اٹھا کہ میری دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا قوم سے کہنے لگا۔ اب تو صرف مکر و حیلہ ہی سے کام لیا جا سکتا ہے اپنی لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجو ان سے کہہ دو کہ مرد کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر ایک شخص بھی زنا کا مرتکب ہو گیا تو سمجھو تم نے مقصد پا لیا۔ چنانچہ عورتیں بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجی گئیں۔

اہلِ کنعان کی ایک عورت جس کا نام کسبتی تھا صور کی بیٹی تھی جو قوم کا سردار اور بادشاہ تھا۔ اس عورت کا ملاپ ہو گیا بنی اسرائیل کے ایک سردار سے جس کا نام زمری بن شلوم تھا۔ جو شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا پوتا تھا اور سردار تھا۔ اس نے اس عورت کو دیکھا تو پسند آ گئی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گیا اور کہنے لگا۔ موسیٰ تم تو یہی کہو گے کہ یہ تجھ پر حرام ہے' اس کے نزدیک نہ ہونا۔ موسیٰ ؑ نے کہا۔ ہاں یہ تجھ پر حرام ہے۔ اس نے کہا موسیٰ! واللہ میں یہاں تو تمہاری بات نہ سنوں گا۔ پھر اس لڑکی کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور ہم بستر رہا۔ اللہ نے بنی اسرائیل میں طاعون بھیج دیا۔ موسیٰ ؑ کی قوم کا سردار فنحاص بن عیزار بن ہارون نامی' زمری بن شلوم کی اس حرکت کے وقت

وہاں موجود نہ تھا اور اس حرکت سے ساری قوم میں طاعون پھیل گیا۔ یہ سارا واقعہ فنحاص کو معلوم ہوا اُس نے اپنا لوہے کا نیزہ اُٹھایا اور زمری کے خیمہ میں داخل ہوا۔ وہ دونوں لیٹے ہوئے تھے۔ دونوں کو ایک ہی نیزے میں پرو لیا اور نیزے کو سر پر بلند کر کے نکلا۔ فنحاص نوجوان اور قوی تھا یہ بوجھ اُٹھا لیا۔ اور اُٹھاتے ہوئے کہتا جا رہا تھا کہ "اے خدا! ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں۔ اب طاعون ختم کر دے" طاعون ختم ہو گیا طاعون سے ہلاک ہونے والے بنی اسرائیل اس مدت میں کہ اس نے عورت حاصل کی پھر فنحاص کے ہاتھوں قتل ہوا، ستر ہزار آدمی مر گئے یا کچھ سے کم بیس ہزار۔ فنحاص کی اسی شکر گزاری میں بنو اسرائیل جب بھی ذبیحہ کرتے ہیں تو جانور کی سری اور دست اور اپنے پھلوں اور اموال کی پہلی چیز اولاد فنحاص کو نذرانہ کے طور پر دیتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلافات ہیں کہ وہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اس پر مشقت لادو تو بھی زبان لٹکائے ہوئے ہانپتا ہے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپتا رہتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ بلعام کی زبان بھی لٹک کر اس کے سینے پر آ گری تھی۔ تو اس کی تشبیہ بھی کتے سے دی گئی ہے جو دونوں حالتوں میں ایک سا ہو کر اُس پر گرا ہتیں نازل کر و یا رحمتیں ہر دو حالت میں یکساں ہے۔ یا یہ مثال اس کی گمراہی اور گمراہی کی پائیداری میں اور ایمان کی طرف بُلانے یا نہ بُلانے دونوں حالتوں میں اس سے نفع گیر نہ ہونے کے اندر اُس کتے کی سی ہے جو رکیدنے اور نہ رکیدنے دونوں صورتوں میں زبان لٹکائے ہانپتا رہتا ہے۔ اسی طرح یہ بلعام بھی ہے کہ ایمان کی طرف بلانے سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتا اور نہ بلانے سے بھی نہیں۔ اسی طرح کی ایک بات ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ "چاہے تم انھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے"۔ یا اور ایک مثال کہ "تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو۔ اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔ یا یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کافر اور منافق اور گمراہ کا دل کمزور اور ہدایت سے فارغ ہوتا ہے کتنی ہی کوشش کی جائے ہدایت نہیں پاتا۔

اللہ پاک اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ لوگوں کو یہ واقعات سُناؤ تاکہ بنی اسرائیل کے حالات سے واقف ہونے کے بعد وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آ جائیں اور یہ سوچیں کہ بلعام کا کیا حال ہوا۔ ربانی علم جیسی زبردست دولت اُس نے دنیا کی حقیر راحت پر کھو دی۔ آخر نہ یہاں نہ وہ۔ اسی طرح یہ علمائے یہود جو اپنی کتابوں میں خدا کی ہدایتیں پڑھ رہے ہیں اور آپ کے اوصاف اس میں لکھے پاتے ہیں۔ انھیں چاہیے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اور اپنے مُریدوں کو پھانسنے کیلئے بھول اور غفلت میں نہ پڑ جائیں ورنہ یہ بھی اسی طرح دین و دنیا سے کھو دیئے جائیں گے۔ انھیں چاہیے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اُٹھائیں اور تمھاری اطاعت کی طرف جھکیں اور دوسروں پر بھی حق بات کو ظاہر کر دیں۔ دیکھو لو کہ کفار کی کیسی بُری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح کھانے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کو پورا کرنے میں لگ جائے وہ بھی کتے جیسا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بُری مثال ہم پر صادق نہیں آنی چاہیے یعنی کسی کو دے کر پھر واپس لے لینے والے کی مثال اُس کتے کی سی ہے جو قے کرے پھر اسی کو کھا جائے۔ اور فرمایا کہ "انھوں نے آپ اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے کیونکہ ہدایت کا اتباع نہیں کیا' دنیا اور دنیا کی لذات میں پھنس گئے۔ یہ اللہ کا ظلم نہیں ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑦

جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ (ابدی) خسارہ میں پڑ جاتے ہیں۔

ہدایت اور گمراہی

جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے کوئی اس کو گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے کس کی مجال ہے کہ اس کی ہدایت کرے۔ اللہ نے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا نہیں ہوا۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ ان الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستھدیہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ (عن ابن مسعود رض) (ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ

لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی۔ خدا کی راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بھٹکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں

لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (۹)

ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں یہ لوگ غافل ہیں

جہنم کا ایندھن

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار کسی انصار کے لڑکے کے جنازے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول۔ یہ بچہ تو جنت کی ایک چڑیا ہے نہ اس نے کوئی بُرے کام کئے نہ دوزخ اس کا کوئی ٹھکانا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! اب مجھ سے بھی کچھ سُنو! کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور وہ لوگ بھی پیدا کئے جو اہلِ جنت ہوں گے۔ اور یہ مستحقین جنت اسی روز قرار دیئے گئے کہ ابھی وہ صُلب آدم ہی میں تھے اور دوزخ اور اہلِ دوزخ پیدا کئے گئے اور ابھی وہ صلب آدم ہی میں تھے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ پاک رحمِ مادر میں ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جو چار باتیں اس سے متعلق لکھ دیتا ہے۔ اُس کا رزق، اُس کی عمر، اُس کے اعمال۔ اور نیک یا بد۔ اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ آدم کی صلب سے جب اللہ نے ذریت کو نکالا تو اصحاب یمین اور اصحاب شمال دو فریق بنائے ایک جنت کے لئے اور ایک دوزخ کے لئے۔ اور میں اس سے بے نیاز ہوں کہ کون اپنے کو مستحق جنت بنا رہا ہے اور کون مستحق دوزخ۔ اس بارے میں احادیث کثرت سے وارد ہیں اور مسئلہ تقدیر ایک اہم مسئلہ ہے یہاں مزید وضاحت کی گنجائش نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے دل تو ہیں لیکن وہ نہیں سمجھ سکتے، آنکھیں ہیں اور دیکھتے نہیں، کان ہیں اور سُنتے نہیں۔ یہ چیزیں جن کو ہدایت حاصل کرنے کے لئے سبب بنایا گیا تھا۔ ان سے کچھ بھی منتفع نہیں ہوتے۔ جیسا کہ فرمایا "انھیں کان، آنکھ، دل دیئے گئے لیکن اس سے انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ کیونکہ ان چیزوں سے انھوں نے کام نہیں لیا اور آیاتِ خدا کا انکار کر بیٹھے۔ منافقین کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ اور کافروں کے حق میں ہے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ اور فرمایا کہ "اگر اللہ ان بہروں میں کوئی خیر معلوم کرتا تو ضرور ان کو سُننے کے قابل بنا تا اور ضرور وہ ہدایت پاتے"۔ اور فرمایا کہ "آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں"[1] اور فرمایا کہ جس نے خدا تعالیٰ کی وحی سے رُوگردانی کی تو شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور ہر وقت اس سے لگا لپٹا رہتا ہے[2]۔ یہ لوگ خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم ہی ٹھیک راہ پر ہیں"۔ اب یہاں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ مثل جانوروں کے ہیں کہ نہ حق بات کو سُنتے ہیں، نہ حق کی مدد کرتے ہیں، نہ ہدایت کو دیکھتے ہیں اور اپنے حواس پنجگانہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھاتے سوائے اس کے کہ دنیاوی حیات کے اندر اس سے فائدہ اُٹھا لیا جیسا کہ فرمایا۔ کافروں کی مثال اس جانور کی ہے کہ چرواہے کے الفاظ کو تو نہیں سمجھتا صرف آواز کو سُنتا ہے کہ انھیں بھی ایمان کی طرف بلایا جائے تو اس کی افادیت کو تو نہیں سمجھتے البتہ آواز سُن پاتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ یہ اُن جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں کہ جانور اپنے چرانے والے کی بات اگرچہ نہ سمجھیں لیکن اس کے بلانے پر اس کا رُخ تو کرتے ہیں۔ اور اس لئے کہ ان جانوروں سے نہ سمجھ سکنے کا

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ان بدقسمتوں میں کوئی خیر ہے ہی نہیں ۱۲ [2] یعنی آدمی بظاہر دیکھتا ہے، سُنتا ہے لیکن اس کے باوجود قرآن سے، تعلیمات ربانی سے، وحی سے فائدہ نہیں اُٹھاتا تو یوں ہی کہا جائے گا کہ دل کی آنکھیں اندھی ہیں اگرچہ ظاہر کی آنکھیں اپنا کام ضرور کر رہی ہیں ۱۲ انظر شاہ [3] یعنی شیطان کو ایسی حالت میں اغوا کا خوب موقع ملتا ہے یہ دینداری اور مذہبی زندگی ہی کا اثر ہے کہ آدمی شیطانی اثرات سے زیادہ سے زیادہ بچا رہتا ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری

فطری وخلقی فعل سرزد ہوتا ہے یا تو از روئے طبیعت یا سدھانے کی بنا پر۔ برخلاف کافر کے کہ وہ تو بلا شرکت غیرے اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ لیکن اس نے کفر اور شرک کیا اور اسی لئے جس نے اللہ کی اطاعت کی وہ بروز قیامت ملائکہ سے بھی افضل ہے اور جس نے کفر کیا وہ جانور بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں

اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

کجروی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی

خدا تعالیٰ کو اچھے ناموں سے یاد کرو

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم سو۔ جوان کا ورد رکھے گا وہ جنت میں جائے گا خدائے تعالیٰ وتر ہے اس لئے عدد میں بھی وتر ہی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نامہائے پاک یہ ہیں:-

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِيْ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِيْ الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيْ الْمُتَعَالِيْ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِيْ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِيْ الْبَدِيْعُ الْبَاقِيْ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ ۔۔۔ یہ حدیث غریب ہے کچھ کمی زیادتی کے ساتھ اسی طرح یہ نام ابن ماجہ کی حدیث میں بھی ہیں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ نام راویوں نے قرآن میں سے انتخاب کرلئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ یاد رہے کہ یہی ننانوے نام ہی اللہ کے ہوں اور نہ ہوں۔ یہ بات نہیں۔ مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے کبھی بھی کوئی رنج وغم پہنچے اور وہ یہ دعا کرے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجِلَآءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ۔ اس پر آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا ہم یاد نہ کرلیں۔ آپ نے فرمایا۔ بلکہ ہر کسی اسے سننے والے کو چاہئے کہ یاد کرلے۔ بعض لوگوں نے تو قرآن وسنت سے خدا کے ایک ہزار نام نکالے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جانے بھی دو ان لوگوں کو جو خدا کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں کہ یہ کافر لوگ اللہ کے ناموں میں "لات" کا لفظ بھی شریک کردیتے ہیں کہ لات کو اللہ تعالیٰ کا مؤنث اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں عزیٰ کو عزیز کا یہ دونوں نام کافروں کے پاس مؤنث خداؤں کے ہیں۔ الحاد کے معنی تکذیب کے ہیں اور کلام عرب میں اعتدال سے ہٹنے کو کہتے ہیں۔ لحد یعنی قبر اسی سے ہے کیونکہ قبلہ کی طرف سے رخ پھیر کر بنائی جاتی ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝

اور ہماری مخلوق جن وانس میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق (یعنی اسلام) کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتی ہے

ہدایت یافتہ اُمت

ہماری پیدا کردہ قوموں میں سے بعض قوم قولاً و عملاً حق پر قائم ہے۔ حق پسند ہے اور حق کی طرف بلاتی ہے اور ازروئے حق ہی فیصلہ کرتی ہے۔ اس اُمت سے مراد اُمتِ محمدیہ ہے۔ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو فرماتے تھے کہ یہ تم ہو۔ اور وہ قوم جو تم سے پہلے گذری یعنی قوم موسیٰ ہے کہ یہ لوگ بھی دوسروں کو حق کی طرف بلاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں سے ایک قوم حق پر قائم رہے گی حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ نزول فرمائیں۔ اور وہ جماعت حق پر غالب رہے گی۔ ان کا کوئی مخالف ان کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا اور قیامت کے آنے یا وہ اپنے مرنے تک اس پر کاربند رہیں گے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۲﴾

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم اُن کو بتدریج لئے جاتے ہیں اس طور پر کہ اُن کو خبر بھی نہیں۔ اور ان کو مہلت دیتا ہوں۔ بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

مضبوط ہاتھ

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے ابوابِ رزق کھل جائیں گے۔ دنیوی مفاد زیادہ ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ اسی دھوکے میں رہیں گے اور یہ گمان کرنے لگیں گے کہ ان کی ہمیشہ یہی حالت رہے گی۔ جیسا کہ فرمایا "انھوں نے جب ہماری یاد بھلا دی تو ہم نے ابوابِ رزق اُن پر کھول دیئے اور جب وہ غرور میں اُتر آئے تو اچانک ہم نے انھیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔ ان ظالموں کی نسل ہی قطع کر دی گئی۔ حمد کے لائق تو اللہ رب العالمین ہی ہے۔" اس لئے فرمایا کہ ہم انھیں ڈھیل دیتے ہیں ہماری سیاست بہت قوی ہوتی ہے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۳﴾

کیا اُن لوگوں نے اس بات میں غور نہ کیا کہ اُن کا جن سے سابقہ ہے اُن کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف (عذابِ) ڈرانے والے ہیں۔

مجنون و دیوانہ نہیں

ان تکذیب کرنے والوں نے یہ بھی غور نہ کیا کہ ان کے رفیق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو درحقیقت کوئی جنون نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور حق کی طرف بلاتے ہیں۔ جس شخص کو عقلِ سلیم ہے اور اس سے کام لینا چاہتا ہے وہ اس کو صاف صاف تنبیہ کرنے والے ہیں۔ اور فرمایا کہ میں تمھیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کی عبادت اور اس کی تبلیغ کے لئے ایک ایک اور دو دو مل کر کھڑے ہو جاؤ پھر اس بات پر توجہ غور کرو کہ تمھارے رفیق کو جنون نہیں۔ بلکہ وہ تو خدا کے عذابِ شدید سے ڈرانے والے ہیں۔ خدا سے خلوص اختیار کرو۔ تعصب و عناد کو چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقت تم پر کھل جائے گی کہ یہ رسول سچے ہیں اور خیر خواہ ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے۔ قریش کو جمع کیا اور ایک ایک قبیلہ کا نام لے لے کر بلانے لگے۔ پھر اللہ کے عذاب اور آنے والے حادثات سے اُنھیں ڈرایا تو بعض بے وقوف کہنے لگے کہ یہ تو کچھ دیوانے سے معلوم ہوتے ہیں۔ صبح تک بکواس کرتے رہے تو اللہ کی طرف سے یہ آیت اُتری تھی۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۴﴾

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (نیز) دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا) کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے۔

نظرِ عبرت

ارشاد ہوتا ہے کہ ہماری نشانیوں کو جھٹلانے والے کیا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ہمیں کیسا غلبہ حاصل ہے آسمانوں اور زمین پر اور ان میں جو کچھ ہے۔ ان سب پر انھیں چاہئے تھا کہ اس پر تدبر و تفکر کرتے اور عبرت لیتے اور اس

ف خدا تعالیٰ کے اس قانون کا نام "امہال" ہے جس کے معنی مہلت دینے کے آتے ہیں۔ سرکش لوگوں کے ساتھ اس قانون کو استعمال کیا جاتا ہے لیکن وہ اپنی حماقت سے سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے اور ان کے اعمال سے خوش ہے جب ہی تو یہ عنایات ہیں حالانکہ وہ عنایات نہیں بلکہ غفلت میں ڈالنے کی ایک راہ تھی ۱۲ انظر شاہ کشمیری۔

نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب اس کا ہے جس کا کوئی نظیر و مثل نہیں وہی اس بات کا مستحق ہے کہ عبادت اور خلوص صرف اسی سے رکھیں اور اس کے رسول کی تصدیق کریں اس کی اطاعت کی طرف جھک جائیں، بتوں کو نکال پھینکیں اور اس بات سے ڈریں کہ موت قریب ہے اگر کفر ہی پر مرجائیں گے تو عذاب الیم کے مستحق ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ اب اس کے بعد پھر اور کونسی تخویف و ترہیب چاہیے کہ جو دھمکی آئی ہوئی ہے وہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہے اگر وہ اس وحی و قرآن کی تصدیق نہ کریں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھیجی ہے تو پھر کس بات کی تصدیق کریں گے۔ ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج میں میں نے دیکھا کہ آسمان ہفتم تک جب میں پہنچا اور اوپر نظر کی تو رعد و برق دیکھے۔ اور ایسی قوم پر سے میرا گذر ہوا جن کے پیٹ مٹکوں کی طرح پھولے ہوئے تھے۔ ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں اور جب اس پہلے آسمان پر اترا تو میں نے اپنے سے نیچے کی طرف نظر ڈالی تو ایک دھند اور دھواں تھا اور شور و غوغا برپا تھا۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ تو کہا یہ وہ شیاطین ہیں جو انسانوں کی آنکھوں کے سامنے گھومتے رہتے ہیں اور آڑے آ جاتے ہیں تاکہ ارض و سما کے ملکوت میں انسان نظر ہی نہ کرسکے اگر یہ حائل نہ ہوتے تو انسان آسمان کی عجیب عجیب باتیں دیکھتا۔ اس کے ایک راوی علی بن زید سے بہت سی منکر روایات بھی منسوب ہیں۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۵

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا (یعنی جملہ حاصل) اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

گمراہی سے نجات نہیں

اللہ تعالیٰ نے جس کے نام گمراہی لکھ دی اس کو کوئی ہدایت نہیں کرسکتا، وہ کتنی ہی نشانیاں دیکھے کچھ فائدہ نہیں ہوتا جس کو خدا ہی فتنہ میں ڈالے اس کو کون راہ راست پر لائے۔ جیساکہ فرمایا دیکھو آسمانوں اور زمین میں ہماری کیا کچھ نشانیاں ہیں۔ لیکن نشانیاں، معجزات اور دھمکیاں کوئی چیز بھی ان کافروں کو مفید نہیں پڑتیں

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم فقط میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کو سوائے اللہ کے کوئی اور

اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ

ظاہر نہ کرے گا وہ آسمان اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا (اس لئے) وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا کہ آپ

حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶

اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

قیامت کا کسی کو علم نہیں

یہ آیت قریش سے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یا یہود کی ایک جماعت سے متعلق لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہود تو مدینے میں رہتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کا وقت جو تم سے پوچھتے ہیں سو اس کا یقین نہ کریں گے۔ تکذیب کے انداز میں پوچھتے ہیں جیساکہ اس آیت کے انداز بیان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ بتلاؤ کہ وہ ہوگی کب اور کس تاریخ میں" اور فرمایا کہ یہ کافر قیامت کو جلدی مانگتے ہیں۔ حالانکہ مؤمن تو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرتے ہیں اور یقین کئے ہوئے ہیں کہ اس کا آنا حق ہے اور جو لوگ قیامت میں شک کرتے ہیں بڑی گمراہی میں ہیں۔ اور فرمایا "بتاؤ وہ کس تاریخ ہوگی۔ اور دنیا کب ختم ہو جائے گی۔ اور پھر گھڑی قیامت کی کونسی ہے" تو اے نبی! کہدو کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے خدا کے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا ہے کہ اے نبی، وہ وقت قیامت پوچھیں تو بات

حاشیہ شیطان ہر راہ سے انسان کو اغوا کرنے اور ہر ممکن طریقہ پر اس کی مخالفت کی راہیں سوچتا ہے، کائنات میں غور و فکر آیات الٰہی پر نظر بہت سے گمراہوں کیلئے ہدایت کا ذریعہ بن سکتا تھا تو شیطان نے جو ابن آدم کا پیدائشی دشمن ہے، اس اصلی ہدایت کی یہ راہ بھی بند کردی۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ انظر شاہ کشمیری +

کو اللہ کی طرف پھیر دو کہ اس کے وقت کی تحدید تو خدا کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے فرمایا ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان والے اُس کے علم سے بے بہرہ ہیں۔ حسنؒ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو اہلِ ارض و سما پر بہت بھاری گذرے گی ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں رہی جس کو قیامت کا ضرر نہ پہنچے گا، آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے ٹوٹ پڑیں گے، سورج تاریک ہو جائے گا، پہاڑ اُڑ جائیں گے اور خدا نے جو کچھ کہا ہے وہ سب ہو گا۔ آسمان والوں کو بھی اِس کا علم نہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ اچانک آجائے گی، لوگوں کو اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اُس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ ایک وقت سورج مغرب سے طلوع نہ کرے گا۔ کافر یہ عجیب بات اور اِس پیش گوئی کی صداقت دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ لیکن کسی کو بھی اس وقت کا ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ یا گنہگاروں کو اب نیک کام کرنا کوئی نتیجہ نہ بخشے گا۔ دو آدمی کپڑے کا لین دین کر رہے ہوں گے اِس غرض سے کپڑے کا تھان کھولا جا رہا ہو گا۔ دودھ دوہ کر پیا بھی نہ گیا ہو گا، لوگ پینے کے پانی کی ٹنکی صاف ہی کر رہے ہوں گے، نوالہ مُنہ کی طرف لیجایا جا رہا ہو گا کہ ناگہاں قیامت شروع ہو جائے گی۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ یعنی وہ قیامت کا راز تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم ان کے بڑے دوست ہو اور اس انداز میں پوچھتے ہیں گویا قیامت کی تاریخ وقوع سے تم واقف ہو۔ اس لئے اللہ نے فرما دیا کہ اس کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں۔ اللہ نے تو اِس راز کو کسی مقرب ترین فرشتے یا اپنے کسی رسول پر بھی ظاہر نہیں کیا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ قریش حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ تمہارے ہمارے درمیان تو رشتہ داری ہے ہمیں تو بتا دیجئے کہ قیامت کب آ رہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری کہ کہہ دو اس کا علم فقط اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ لوگ جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وقتِ قیامت کو پوچھتے ہیں سو نہیں جانتے کہ نبی کو بھی اس کا علم نہیں۔ خدا کے سوا کوئی اُس کا علم نہیں رکھتا۔ حضرت جبرئیلؑ ایک اعرابی کی شکل میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے تاکہ ان سے اُمورِ دین کی تعلیم لوگ حاصل کر سکیں اور ایک طالب ہدایت سائل کے انداز میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور آپ سے اسلام کے بارے میں پوچھا۔ پھر ایمان اور احسان سے متعلق دریافت کیا۔ پھر پوچھا قیامت کب آنے والی ہے۔ اِس چوتھے سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس چیز کے بارے میں مجھ کو تم سے زیادہ علم نہیں۔ یعنی جیسے تم ناواقف میں بھی ناواقف۔ اور کوئی شخص بھی اس بارے میں کچھ نہیں جان سکتا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جبریلؑ نے بشکلِ اعرابی آپ سے قیامت کی نشانیاں پوچھیں آپ نے نشانیاں بتا دیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ آپ کے ہر جواب پر وہ اعرابی کہتا گیا کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ گویا کہ وہ جانتا تھا اور بات کی صداقت کا اعتراف کر رہا ہے۔ اِس اندازِ تصدیق پر صحابہ نے تعجب کیا کہ یہ کیسا سائل ہے کہ خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی جواب پر صاد کر رہا ہے۔ پھر یہ سائل چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے اور اس طرح تم لوگوں کو مسائلِ دین اور عقائدِ اسلام کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ اِس سے پہلے جب کبھی یہ صورت بدل کر آتے رہے میں پہچانتا رہا۔ اور اس دفعہ تو میں نے بھی نہیں پہچانا تھا۔ میں نے آغازِ شرح بخاری میں اِس حدیث کو بیان کر دیا ہے۔ اور جب اِس اعرابی نے آپ سے پوچھا اور بلند آواز میں آپ کو پکارا کہ یا محمد! تو آپ نے بھی بلند آواز میں جواب دیا "ہاں کیا ہے؟" تو اس نے کہا قیامت کب آنے والی ہے تو آپ نے فرمایا۔ اے میاں قیامت جب بھی آئے گی ضرور آئے گی۔ لیکن تم بتاؤ کہ اس کے لئے تم نے کیا تیاری کر رکھی ہے۔ کہا بکثرت نمازیں اور روزے اگرچہ نہیں ہو سکے لیکن خدا اور رسول سے مجھے بہت محبت اور شغف ہے۔ تو آپ نے فرمایا آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ رہے گا جس سے اس کو محبت ہو۔ اِس حدیث کو سن کر صحابہؓ بے انتہا خوش ہو گئے۔ صحیحین میں اکثر صحابہؓ کی روایتوں سے یہ حدیث متعدد طریقوں سے بیان ہوئی ہے۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کوئی شخص ایسا سوال کرتا جس کی اس کو چنداں ضرورت نہیں اور اس کے لئے عبث ہے تو آپ جواب میں اس بات کی طرف اس کا رُخ پھیر دیتے جس کا جاننا اس کے لئے اپنے سوال سے کہیں زیادہ ضروری ہوتا تاکہ وہ اپنی ذات کو اس سے نمٹنے کا اہل بنا لے۔ اور پہلے سے تیاری کر رکھے اگرچہ اس کی تعیینِ وقت سے واقف نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے کہ دیہاتی عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو اکثر یہ سوال کرتے رہتے کہ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ ان کے کسی بچے کی طرف اشارہ کرتے کہتے کہ اگر اللہ نے اس کو زندگی دی تو یہ بوڑھا بھی نہ ہونے پائے گا کہ تمہاری قیامت تو آجائے گی۔ گویا قیامت سے مراد موت ہوئی جو ان کو دنیا سے نکال کر انھیں عالم برزخ میں لیجا چھوڑے گی اور بہت سی حدیثیں اسی مضمون کی الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ جو سب کی سب ایک ہی مضمون کی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ مقصد ان سب حدیثوں کا یہی ہے کہ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ لیکن وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ "اس بچے کے بڑھاپے سے پہلے قیامت آجائے گی" یہ اطلاق بھی اسی تقیید پر محمول ہے۔ یعنی مراد اس سے لوگوں کی موت کا وقت ہے۔ اپنی وفات سے ایک ماہ قبل آپ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے بارے میں مجھ سے تم لوگ پوچھتے رہتے ہو۔ اس کا علم تو خیر خدا کو ہے کہ قیامت آنے میں اور کتنی مدت ہے۔ لیکن میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ اس وقت زمین پر جتنے متنفس آباد ہیں سو سال بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ تو گویا یہ مطلب ہوا کہ جیسے قیامت میں سب لوگ مر جائیں گے اسی طرح سو سال میں موجودہ سب لوگوں کے لئے قیامت آجائے گی۔ گویا تعیین وقت ہی اگر چاہتے ہو تو لو یہ تعیین وقت ہے اس طرح قیامت سے مراد اس ایک صدی کا اختتام تھا کہ بات کو اس ڈھنگ سے بیان کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں ابراہیم ؑ اور موسیٰ ؑ و عیسیٰ ؑ پر میرا گذر ہوا لوگ قیامت کا ذکر کر رہے تھے یہ سب حضرت ابراہیم ؑ سے آکر پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ ؑ کے پاس گئے۔ آپ نے بھی یہی کہا۔ عیسیٰ ؑ کے پاس گئے۔ آپ نے بھی کہا کہ اس کا علم تو خدا کے سوا کسی کو ہے ہی نہیں لیکن علامت یہ ہے کہ دجال نکلے گا۔ میرے ساتھ ایک دو شاخہ ہوگا وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا اور اللہ پاک اس کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ شجر اور حجر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان میری آڑ میں ایک کافر چھپا ہوا ہے۔ آ اور اس کو قتل کر دے۔ پس اللہ ان سب کافروں کو ہلاک کر دے گا پھر لوگ اپنے اپنے شہروں اور وطنوں کو واپس ہو جائیں گے ایسے وقت میں یاجوج اور ماجوج نکلیں گے، وہ ہر گوشے سے اُبل پڑیں گے، شہروں کو پامال کرتے پھریں گے ہر چیز ان کے آنے اور پھرنے سے برباد اور تلف ہوتی رہے گی۔ حتیٰ کہ چشموں پر پہنچیں گے تو چشموں کو خالی کر دیں گے۔ لوگ میرے پاس ان کی شکایت لے کر آئیں گے۔ میں ان کے لئے خدا سے بد دعا کروں گا۔ اللہ ان سب یاجوج اور ماجوج کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ ہر جگہ کی فضا ان کی لاشوں کی بدبو سے مسموم ہو جائے گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا کہ پانی کا بہاؤ ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں لے جا ڈالے گا۔ اس وقت پہاڑ اکھڑ جائیں گے، زمین پھیل جائے گی۔ اس وقت قیامت ایسی قریب ہوگی جیسے نو مہینے کی حاملہ کہ جس کو لوگ نہیں جانتے کہ دن رات میں کس وقت زچگی ہو جائے۔ بڑے بڑے پیغمبر بھی قیامت کا وقت نہیں جانتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی صرف اس کی علامتیں بتا دیں۔ کیونکہ اس امت کے آخری زمانہ میں وہ اتریں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ فرمائیں گے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے اور یاجوج و ماجوج کو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے ہلاک کر دے گا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں اس کی علامتیں بتاؤں۔ وہ یہ کہ اس کے سامنے بڑے فتنے اور انقلابات حوادث واقع ہوں گے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم فتنہ کا مفہوم تو سمجھتے ہیں لیکن ہرج کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حبش کی عرفی زبان میں اس کے معنی قتل کے۔ پھر فرمایا کہ لوگوں میں اجنبیت اور بے پروائی اتنی بڑھ جائے گی کہ ایک شخص دوسرے کو کہے گا کہ میں نہیں پہچانتا۔ شراح ستہ میں بات کو اس طریقہ سے روایت نہیں کیا گیا ہے۔ ہمارے نبی امی سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نبی الرحمۃ و نبی التوبہ ہیں۔ فرمایا ہے کہ "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ چنانچہ آپ نے کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کو جوڑ کر بتایا گویا کہ میرے ساتھ قیامت لگی ہوئی ہے۔ یعنی دونوں کے درمیان کوئی نبی ہونے والا نہیں۔ غرض یہ کہ یعلم الساعۃ علم صرف خدائے پاک کو ہے۔

ف ایک حدیث میں ہے کہ من مات قامت قیامتہ۔ یعنی جو شخص مر گیا اس کی تو گویا قیامت شروع ہو گئی مطلب یہ کہ جن احوال سے قیامت میں سابقہ ہوگا ان کے ابتدائی مناظر برزخی زندگی میں شروع ہو ہی جاتے ہیں ۱۲ انظر شاہ ف یعنی اس کثرت سے پانی پئیں گے کہ چشمے خالی ہو جائیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں ہوں گے کہ جس چشمے پر جا پہنچیں گے اس کو خالی کر دیں گے ۱۲ انظر شاہ کشمیری

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ

۲۲ آپ کہدیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو میں بہت سے

ع مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

۱۳ منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی میں تو محض (احکام شرعیہ بتلا کر ثواب کی) بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ سارے امور کی نسبت خدا کی طرف کرو۔ اور اپنے بارے میں کہہ دو کہ مستقبل کا علم مجھے بھی نہیں ہاں اللہ تعالیٰ نے کچھ بتا دیا تو بتا دیتا ہوں۔ جیسا کہ فرمایا "عالم الغیب کے علم غیب کو کوئی نہیں پا سکتا اور اے نبی! کہہ دو کہ اگر میں غیب کی بات جانتا تو اپنے لئے بہت سا خیر جمع کر لیتا۔ یعنی اگر مجھ کو اپنی موت کی خبر ہوتی کہ کب مروں گا تو کوشش کرتا کہ جلد تر بہت سے اعمال صالحہ کر لوں یہ قول مجاہد کا ہے اور ابن جریر بھی یہی کہتے ہیں لیکن یہ بات غور طلب ہے اس لئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل اچھا ہی تھا اور جو عمل کرتے وہ مستقل اور پائیدار ہوتا۔ سارے اعمال ایک ہی ڈھنگ کے تھے۔ ہر عمل میں آپ کی نظر اللہ پر ہی ہوتی۔ غرض یہ کہ کوئی عمل بھی غیر عمل صالح نہ تھا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ غیب کی باتیں جان لیتا تو لوگوں کی کس نوع کی بھلائی کس کام کے اندر ہوتی۔ تو اس سے ان کو آگاہ کر دیتا۔ ابن عباسؓ نے خیر کے معنے مال کے لئے ہیں اور یہ مفہوم احسن ہے۔ یا یہ کہ جس خریداری میں فائدہ کا علم ہوتا وہ ضرور خریدتا اور کوئی چیز نہ بیچتا جب تک اس میں فائدہ کا علم نہ ہوتا۔ غرض یہ کہ تجارت میں کبھی نقصان نہ اٹھاتا یا نہ اٹھانے دیتا۔ یا مجھے فقر و تنگ دستی کبھی نہ آنے پاتی۔ بعض لوگوں نے یہ مطلب بھی لیا ہے کہ قحط آنے والا ہوتا تو بہت کچھ غلہ جمع کر رکھتا۔ سستے زمانے میں خرید لیتا اور گرانی کے زمانے میں بیچتا اور مجھے غربت و مسکنت کبھی نہ چھوتی۔ اور نقصان آنے سے پہلے اس سے بچ جاتا۔ پھر آپ نے کہا۔ میں صرف نذیر اور بشیر ہوں عذاب سے ڈرانے والا اور جنت کی بشارت دینے والا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ہم نے قرآن کو تمہاری زبان پر آسان بنا دیا ہے تاکہ مادہ تقویٰ رکھنے والوں کو تم بشارت دو اور جھگڑنے والے سرکش لوگوں کو ڈراؤ۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ

اور اللہ ایسا (قادر و منعم) ہے جس نے تم کو ایک تن واحد (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا (حوا) بنایا تاکہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو

حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ

رہ گیا ہلکا سا وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بی بی اللہ سے جو کہ ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دیدی تو ہم خوب

الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

شکر گذاری کریں گے سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح و سالم اولاد دیدی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ اللہ کے شریک قرار دینے لگے سو اللہ پاک ہے ان کے شرک سے

شکر کے بجائے کفر

ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا جہان کے لوگ آدم علیہ السلام کی نسل سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم علیہ السلام ہی سے ان کی بیوی حوا پیدا کی گئیں۔ ان ہی دونوں سے نسل بڑھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور اتنا بڑھایا کہ تم لوگ خاندان اور قبیلے بن گئے اب تمہیں ایک دوسرے کے حقوق پہچاننا چاہئیں اور خدا تعالیٰ کی نظروں میں تم میں شریف تر وہی ہوگا جو سب سے زیادہ محتاط عمل کرے گا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا کے معنے ہیں تاکہ ایک دوسرے میں الفت رہے۔ اسی لئے فرمایا جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً یعنی تم دونوں کے دلوں میں محبت اور رحمت ڈال دی۔ دو روحوں میں جو محبت و

ان تمام توجیہات میں پہلی توجیہ زیادہ دلنشین ہے اگرچہ ابن کثیر نے اس پر بعض اشکالات کئے ہیں تاہم اس توجیہ کی لطافت دنیا کو معلوم ہے۔ انعام

رحمت ہوتی ہے وہ رُوحوں کی باہمی اُلفت و موانست سے بڑھکر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ساحر اکثر اپنے سحر کے ذریعہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ میاں بیوی میں تفرقہ ڈالدیں غرض شوہر جب اپنی بیوی کے ساتھ فطری محبّت کی بنا پر موانست و قربت اختیار کرتا ہے تو ابتدا اًً وہ اپنے پیٹ میں ایک ہلکا سا بوجھ محسوس کرنے لگتی ہے۔ یہ آغازِ حمل کا زمانہ ہوتا ہے اس وقت تو عورت کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی کیونکہ یہ حمل تو ابھی نطفہ یا علقہ اور مضغہ ہے یعنی نطفہ یا گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا۔ ابھی وہ ہلکی پھلکی ہوتی ہے۔ ایوب کہتے ہیں کہ میں نے حسنؒ سے مَرَّتْ بِہٖ کے معنی پوچھے تو کہا اگر میں عرب ہوتا اہلِ زبان ہوتا تو جانتا اِس کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اسی طرح وہ اس حمل کو چندے لئے پھرتی رہتی ہے۔ قتادہ اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ حمل نمایاں ہوگیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ حمل لئے ہوئے آسانی سے اُٹھ بیٹھ سکتی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ وہ ہے جب کہ خود اس کو شک ہے کہ مجھے حمل ہے بھی کہ نہیں۔ غرض یہ کہ اس کے بعد جو عورت کو بوجھ اچھا خاصا محسوس ہونے لگتا ہے اور یقینِ حمل ہو جاتا ہے۔ تو یہ ماں باپ دونوں خدا سے تمنّا کرنے لگتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انھیں صحیح سالم بچہ دے تو خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہو۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ماں باپ کو ڈر لگا ہوتا ہے کہ کہیں جانور کی شکل یا اعضا ء کا یا غیر سالم بچہ نہ ہو جائے جیسا کہ بعض مرتبہ ہو جایا کرتا ہے۔ حسن بصری رح یہ مطلب لیتے ہیں کہ اگر خدا ہم کو لڑکا دے۔ کیونکہ مولود میں زیادہ صلاحیت والا مولود لڑکا ہی ہوتا ہے غرض یہ کہ جب اللہ ان کو صحیح سالم بچہ دیتا ہے تو اس کو بُتوں کا حصّہ بنا ڈالتے ہیں۔ خدا کی ذات ایسے شرک سے بے نیاز ہے۔

مفسّرین نے یہاں بہت سے آثار و احادیث بیان کی ہیں جن کا ہم ذکر کریں گے۔ ان پر روشنی ڈالیں گے۔ پھر انشاء اللہ صحیح بات کی طرف رہنمائی کریں گے۔ خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حوّا کو جب وضعِ حمل ہوا تو ابلیس اُن کے پاس آیا۔ ان کا بچہ زندہ نہیں رہتا تھا۔ تو حوّا کو مشورہ دیا کہ بچہ کا نام عبد الحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ بندہ کا نام عبد الحارث رکھا گیا؀ اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی طرف کی وحی تھی اور حارث شیطان کا نام ہوتا ہے۔ اس حدیث میں تین علتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا راوی عمر بن ابراہیم ایک بصری شخص ہے۔ اگرچہ ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجّت نہیں پکڑی جا سکتی۔ دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً حضرت سمرہ کے اپنے قول سے مروی ہوئی ہے جو مرفوع نہیں۔ ابن جریر میں خود سمرہ بن جندب کا کہنا ہے کہ آدم ؑ نے اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا۔ تیسرے یہ کہ اس کے راوی حسن سے بھی اس آیت کی تفسیر اِس کے سوا بیان کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث اُن کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ حضرت آدم ؑ کا واقعہ نہیں بلکہ بعض دوسرے مذہب والوں کا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس سے مُراد بعض مُشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کا فعل بیان ہوا ہے کہ اپنی اولاد کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ اِس آیت کی جو تفسیریں بیان کی گئی ہیں اُن سب میں بہتر یہی تفسیر ہے۔ غرض تعجب کے لئے گنجائش یہ تھی کہ ایسا متقی اور پرہیزگار آدمی ایک آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث قولِ پیغمبر روایت کرے پھر اس کے خلاف خود تفسیر کرے اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ وہ سمرہ کا اپنا قول ہے۔ اس کے بعد یہ خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ سمرہ نے اسے اہلِ کتاب سے ماخوذ کیا ہو۔ جیسے کعب اور وہب وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ انشاء اللہ اس کا بیان بھی عنقریب آئے گا۔ غرض اس حدیث کا مرفوع ہونا تسلیم نہیں ہوسکتا۔ اب دوسری احادیث بھی اِس بارے میں ہیں۔ یہ کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حوّا کے جو اولاد ہوتی تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کا نام عبد اللہ، عبید اللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم و حوّا کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم اپنی اولاد کا دوسرا نام رکھا کرو گے تو وہ زندہ رہے گی۔ اب حوّا کے بچہ ہوا تو ماں باپ نے بچہ کا نام عبد الحارث رکھا۔ اسی کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ تا آخر۔ حوّا کو شک تھا کہ حمل ہے یا نہیں۔ غرض جب وہ حمل سے بوجھل ہوگئی تو ان دونوں نے خدا سے دُعا کی کہ اگر جیتا جاگتا، صالح بچہ ہوگا تو ہم بڑا شکر کریں گے۔ اب شیطان ان دونوں کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ تمھیں کیا خبر کہ کیسا بچہ پیدا ہوگا۔

؀ حارث شیطان کا نام ہے۔ عبد الحارث کے معنے "شیطان کا بندہ" ہوئے۔ آدم و حوا علیہما السلام یہ نہیں جانتے تھے کہ شیطان کا نام حارث ہے۔ اگر جانتے تو اپنے بچّے کا نام عبد الحارث نہ رکھتے۔ لیکن یہ تمام توجیہات اس صورت میں ہیں جب کہ یہ حدیث صحیح ہو ۱۲ انظر شاہ کشمیری۔

جانور کی شکل و صورت کا ہوگا یا انسان - ایک غلط بات ان کی نگاہوں میں اچھی بناکر پیش کی اور شیطان تو دھوکا دینے والا ہے ہی۔ اس سے پہلے دو بچے ہو چکے تھے اور مر چکے تھے۔ شیطان نے انھیں سمجھایا کہ اگر تم میرے نام پر اس کا نام نہ رکھو گے تو نہ وہ ٹھیک پیدا ہوگا اور نہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ انھوں نے اس بچہ کا نام عبد الحارث رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا پر صحیح سالم بچہ دیا تو اس کا نام عبد الحارث رکھ کر اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ ان آیتوں میں اسی کا بیان ہے اور ایک روایت میں ہے کہ پہلی دفعہ کے حمل کے وقت یہ (شیطان) آیا اور انھیں ڈرایا کہ میں وہی ہوں جس نے تمھیں جنت سے نکلوایا۔ اب تم میری اطاعت کرو ورنہ میرے کرتب سے اس کے سینگ پیدا ہو جائے گا اور وہ پیٹ کو پھاڑ کر نکلے گا۔ اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ غرض انھیں بہت خوف زدہ کر دیا مگر انھوں نے اس کی بات نہ مانی۔ خدا کی مصلحت بچہ مُردہ پیدا ہوا۔ دوسرا حمل ہوا پھر بھی بچہ مُردہ پیدا ہوا۔ اب کے ابلیس نے آکر اپنی بہت خیر خواہی جتائی۔ بچے کی محبت غالب آگئی اور اس کا نام انھوں نے عبد الحارث رکھ دیا۔ اسی پر اللہ نے فرمایا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا۔ ابن عباس سے اس حدیث کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے۔ جیسے مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ اور سدی۔ اسی طرح سلف سے لے کر خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اسے اُبی بن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ جن کی بابت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کی باتوں کو نہ سچی کہو نہ جھوٹی۔ ان کی روایتیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جن کی صحت کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسری وہ جن کی تکذیب کسی آیت و حدیث سے ہوتی ہے۔ تیسری وہ جن کی بابت کوئی ایسا فیصلہ ہمارے دین میں نہ ملے تو بقول حکم حدیث اس کے بیان میں تو کوئی حرج نہیں لیکن اس کی تصدیق و تکذیب نہیں کرنا چاہیے۔ میرے نزدیک تو یہ اثر دوسری قسم کا ہے یعنی ماننے کے قابل نہیں اور جن صحابہ یا تابعین سے یہ روایت ہے انھوں نے اسے تیسری قسم کا سمجھ کر روایت کر دیا ہے۔ لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں جو حضرت امام حسن کہتے تھے کہ مشرکوں کا اپنی اولاد میں شریکِ خدا کا بیان ان آیتوں میں ہے نہ کہ حضرت آدم و حوا کا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اس شرک سے بلند و بالا ہے۔ ان آیتوں میں یہ ذکر اور اس سے پہلے آدم و حوا کا گویا تو طئہ ہے کہ ان اصلی ماں باپ کا ذکر کر کے پھر اور ماں باپ کا ذکر ہوا اور ان ہی کا شرک بیان ہوا۔

اب شخصی و انفرادی ذکر ختم کر کے جنس کے ذکر کی طرف بات کا رُخ پھیرا جاتا ہے۔ جیسے "ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت دی اور پھر انھیں ستاروں کو شیطانوں کو مار بھگانے کے کام میں لائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو ستارے زینت کے ہیں وہ جھڑتے نہیں۔ اُن سے شیطانوں پر مار نہیں پڑتی۔ یہاں بھی بات کا رُخ یوں پھیرا جاتا ہے کہ تاروں کی شخصیت سے تاروں کی جنس کی طرف۔ اس کی اور بہت سی نظیریں قرآن میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ③ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ

کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو نہ بنا سکیں اور وہ خود ہی بنائے جاتے ہیں اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد (بھی) نہیں دے سکتے اور وہ خود اپنی بھی

يَنصُرُونَ ④ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ

مدد نہیں کر سکتے اور اگر تم اُن کو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمھارے کہنے پر نہ چلیں تمھارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو

أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ⑤ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ

اور یا تم خاموش رہو واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں تم اُن کو پکارو

فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ⑥ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ

پھر اُن کو چاہیے کہ تمھارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا اُن کے ہاتھ ہیں

يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ

جن سے کسی چیز کو تھام سکیں یا اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شرکاء کو بلالو

ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ﴿۷﴾ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿۸﴾

پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو۔ یقیناً میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ (عموماً) نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۹﴾ وَإِنْ

اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور ان کو

تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۰﴾

اگر کوئی بات بتانے کو پکارو تو اس کو نہ سنیں اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

دنیا میں سب سے زیادہ کمزور مخلوق بُت پرستوں کے معبود ہیں

وہ مشرکین جو اللہ کے بجائے اوثان و اصنام کی عبادت کرتے ہیں انھیں تنبیہ ہو رہی ہے کہ یہ اصنام بھی خدا کی مخلوق میں ایک بنائی ہوئی چیز ہیں۔ کسی بات کی بھی ان کو مقدرت نہیں نہ وہ کسی کو مضرت پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، نہ ان میں دیکھنے کی طاقت ہے، نہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ بُت تو جمادات میں سے ہیں حرکت تک نہیں کر سکتے بلکہ ان کی عبادت کرنے والے لوگ ان سے کہیں افضل ہیں کہ سن سکتے ہیں دیکھ سکتے ہیں چھو سکتے ہیں پکڑ سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ کیا ان چیزوں کو جو خدا کا شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں جیسا کہ فرمایا اے لوگو! ایک مثل بیان کی جاتی ہے۔ سنو! یہ لوگ جو خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں وہ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے خواہ سب کے سب ہی مل کر کیوں نہ کوشش کریں۔ بلکہ مکھی اگر ان کی کھانے کی کوئی چیز لے اُڑے تو وہ اُس سے وہ چیز تک نہیں لے سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں کس قدر ضعیف و بے قدرت ہیں انھوں نے خدا کی قدر نہیں پہچانی۔ بے شک خدا بڑا قوی اور عزیز ہے۔ مکھی ایک حقیر غذا بھی ان سے لے اُڑے تو اُس سے چھڑا لینے کی طاقت نہیں رکھتے جس کی یہ صفت ہو وہ کیسے رزق دے گا یا مدد کرے گا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کو خود گھڑتے ہو۔ پھر فرمایا کہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اگر کوئی اُن کے ساتھ بُرا برتاؤ کرے تو خود اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔ جیسے حضرت خلیلؑ اپنی قوم کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیتے تھے اور ان کی انتہائی اہانت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ نے مار مار کر ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے لیکن بُت خانے کے سب سے بڑے بُت کو چھوڑ دیا تاکہ لوگ آکر اُسی بڑے بُت سے پوچھیں کہ یہ کیا ہوا اور کس نے کیا۔؟

معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن جبل دونوں جوان تھے مسلمان ہو چکے تھے۔ مدینہ میں رات کے وقت مشرکین کے بتوں کو توڑ دیتے اگر وہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تو اُن کو توڑ کر جلانے کے لئے بیوہ غریب عورتوں کو دیدیتے تاکہ ان کمبخت مشرکین کو کچھ عبرت ہو اور اپنے عمل اور عقیدے پر کچھ غور کریں۔ عمرو بن جموح اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس کے پاس ایک بُت تھا جس کی وہ عبادت کرتا تھا اس کو خوشبوئیں ملتا۔ وہ دونوں نوجوان رات کے وقت اس کے بُت خانے میں جاتے اُس پر غلاظت کرتے۔ عمرو بن جموح آتا اور بُت کو اس کیفیت میں دیکھتا تو اُس کو دھوتا خوشبوئیں ملتا اور اس کے پاس تلوار رکھ دیتا اور کہتا کہ اس سے مدافعت کر۔ دوبارہ یہ لوگ ایسا ہی کرتے اور ابن جموح پھر دھوتا صاف کرتا پھر اس کے پاس تلوار رکھتا۔ آخر کار ایک دن ان دونوں نے اُس بُت کو نکالا اور ایک کتے کی لاش سے اس کو باندھ دیا اور ایک رسی کے ذریعہ ایک باؤلی میں لٹکا دیا۔ جب عمرو بن الجموح آیا اور یہ کیفیت دیکھی تو اس کو عقل آگئی کہ وہ بُت پرستی کے بارے میں کس قدر غلط

رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا کہ " اگر تو سچ مچ خدا ہوتا تو کنوئیں میں کتے کے ساتھ پڑا نہ ہوتا!" پھر وہ اسلام لے آیا اور مخلص مسلمان رہا۔ اور جنگِ اُحد میں شہید ہوا۔ ارشادِ باری ہے کہ اگر تم انھیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ کبھی تمھاری پیروی نہ کریں۔ یعنی یہ بُت کسی کی پکار کو نہیں سُن سکتے۔ ان کو پکارنا نہ پکارنا برابر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ " اے باپ! عبادت نہ کر ایسی مورتی کی جو نہ سُنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ تمھارا کچھ کام نکالتی ہے۔" پھر فرمایا وہ بھی خدا کی مخلوق ہے جیسے یہ بُت پرست۔ بلکہ یہ بُت پرست ہی ان بُتوں سے اچھے کہ سُنتے، دیکھتے اور چھوتے تو ہیں۔ پھر فرمایا کہ اچھا اپنی مدد کے لئے اپنے شریکوں کو بُلاؤ اور مجھے چشم زدن کی بھی مُہلت نہ دو۔ اور میرے خلاف جی کھول کے کوشش کر دیکھو۔ میرا مددگار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل فرمائی۔ وہ نیکوکاروں کا والی ہے۔ وہی خدا میرے لئے کافی ووافی ہے "وہی میری مدد کرے گا" اُسی پر میرا بھروسہ ہے۔ میں مجبور رہوں تو اسی کا ہوں۔ وہ دنیا و آخرت میں نہ صرف میرا بلکہ میرے بعد بھی ہر نیکوکار کا سرپرست ہے۔ جیسا کہ ہود علیہ السّلام نے اپنی قوم کے جواب میں فرمایا تھا جب کہ آپ کی قوم نے آپ پر یوں تہمت باندھی کہ تم پر ہمارے خداؤں کی کچھ مار پڑی ہے جبھی تو تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تو خدا کی گواہی دیتا ہوں اور صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ میں تمھارے شرکا سے نفرت و بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ اچھا تم سب مل کر میرے ساتھ کچھ شرارت کر دیکھو اور ہاں دَم بھر کے لئے مجھے مُہلت بھی نہ دینا۔ تم میرا کیا بگاڑو گے۔ میرا بھروسہ تو خدا پر ہے وہ میرا اور تمھارا سب کا رب ہے۔ زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی نکیل اُس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ میرا رَبّ سیدھے اور سچّے طریق پر ہے۔ اور خلیلؑ نے فرمایا تھا کہ تمھارا کیا خیال ہے اِن بُتوں کے بارے میں جن کی تم اور تمھارے آباء و اجداد پرستش کرتے تھے۔ یہ لوگ تو میرے دشمن ہیں۔ مگر پروردگار میرا دوست ہے۔ اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ٹھیک راہ پر چلائے گا۔ اور جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں تو بَری ہوں تمھارے خداؤں سے مگر اپنے خدا کا میں عبادت گذار ہوں جس نے مجھے پیدا کیا اور پھر میری ہدایت فرمائی اور اس کے پیچھے اس کو ایک کلمۂ یادگار رہنا چھوڑا شاید کہ یہ اپنی بات سے رجوع کریں۔ اور اسی لئے فرمایا کہ وہ نہ تو تمھاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنی۔ اور اگر تم انھیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ خاک نہیں سُنتے۔ تم ایسا سمجھتے ہو کہ وہ تمھاری طرف نظر کر رہے ہیں لیکن خاک کچھ نہیں دیکھتے۔ وہ اپنی تصویری آنکھیں تم سے دوچار کر رہے ہیں جیسے واقعی دیکھ رہے ہوں لیکن وہ تو بے جان ہیں اسی لئے اُن سے ایسا معاملہ کیا جو ایک صاحبِ عقل کرتا ہو ان بُتوں کی شکل تو تصویری شکل ہے اور انسان جیسے معلوم ہوتے ہیں تم دیکھتے ہو کہ گویا وہ تم کو گھور رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی طرف ہم ھُم کی ضمیر راجع کی جو انسان کی طرف لوٹائی جاتی ہے حالانکہ بے جان چیز ھا کی ضمیر کی مستحق ہوتی ہے۔ سدی اس سے بُتوں کے بجائے مشرکین مُراد لیتے ہیں۔ لیکن پہلی ہی رائے صحیح ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ

سیدھی برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہوجایا کیجئے اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

امر بالمعروف

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ خُذِ الْعَفْوَ کا یہ مطلب ہے کہ اُن کے وہ اموال جو اُن کی ضروریات سے زیادہ ہیں اور وہ مال جو تمھیں لا دیں وہ لے لو۔ اور یہ عمل درآمد سورۂ برأت میں فرائض صدقات کی توضیح و تشریح سے پہلے تھا کہ صدقات آپ کے پاس پیش کئے جاتے تھے اور ضحاک کہتے ہیں کہ خُذِ الْعَفْوَ کے معنی ہیں جو زیادتی ہے وہ خرچ کر دو۔ عفو کے معنی زیادتی کے کئے گئے ہیں۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس میں مشرکین سے عفو و درگذر کا حکم ہے دس سال تک یہ عفو و درگذر رہا پھر اُن پر سختی کرنے کا حکم ہوا یہ ابن جریر کا قول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ لوگوں کے اخلاق اور اعمال سے درگذر کرو یعنی ان کے اعمال و اخلاق کا کھوج نہ کرو۔ مراد یہ ہے کہ لوگوں سے درگذر کرو اور بُری صحبت اختیار کرنے سے بچو۔ خدا کی قسم جس کی صحبت میں اختیار کروں گا ضرور اُس کی خو بُو پکڑ لوں گا

سب اقوال میں یہی قول زیادہ بہتر ہے۔ قیبیہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اُتاری خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ سے پوچھا کہ اس کا کیا مقصد ہے؟ تو جبریلؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو تمہاری ذات پر کوئی زیادتی کرے تو اس کو معاف کر دیا کرو۔ جو تم کو نہ دے تم اس کو دو جو تم سے تعلق توڑے تم اُس سے تعلق جوڑو۔ اسی مضمون کی حدیث ہے متعلق ابن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یا رسول اللہ بہترین اعمال مجھے بتایئے؟ آپ نے فرمایا۔ ای عقبہ بن عامر! جو تم سے ہمدردی نہیں کرتا تم اس سے ہمدردی کرو، جو تم کو محروم رکھتا ہے تم اس کو عطا سے محروم نہ رکھو، جو تمہاری ذات سے متعلق زیادتی کرے تم اس سے درگذر کرو اور بخش دو۔ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (معاف کر دیا کرو اور نیک کاموں کی رہنمائی کیا کرو اور جاہل لوگوں سے انجان بن جاؤ) عُرف کے معنی معروف کے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عیینہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے یہاں آکر ٹھہرے۔ حر بن قیس حضرت عمرؓ کے درباری آدمی تھے وہ قرآن کریم کے ماہر تھے اور قاریٔ علماء حضرت عمرؓ کی مجلس مشاورت کے رکن تھے یہ علماء جوان بھی ہوتے تھے اور بوڑھے بھی۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا۔ اے بھتیجے تم کو امیر المؤمنین کے پاس رسوخ حاصل ہے۔ امیر سے اجازت لے لو کہ میں اُن سے مل لوں تو حر نے عیینہ کے لئے اجازت حاصل کر لی۔ اور عمرؓ نے حاضری کی اجازت دیدی۔ جب عیینہ امیر المؤمنین سے ملے تو کہنے لگے۔ یا ابن خطاب! تم نے ہم کو کافی روپیہ نہیں دیا نہ ہمارے ساتھ عدل سے کام لیا۔ عدل کا نام سُن کر عمرؓ غضب ناک ہو گئے۔ اور قریب تھا کہ عیینہ کو مار بیٹھیں۔ تو حر کہنے لگے۔ اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ "معاف کر دیا کرو اور نیک کاموں کا مشورہ دیا کرو اور جاہلوں سے اعراض کیا کرو اور یہ تو جاہلین میں سے ہیں۔ خدا کی قسم جب عمرؓ کے آگے یہ آیت تلاوت کی گئی تو وہیں رُک گئے کوئی عقوبت نہیں کی۔ وہ کتابُ اللہ کے بڑے واقف کار تھے۔ صرف بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ روایت ہے کہ سالم بن عبداللہ کا گذر اہل شام کے ایک قافلہ پر سے ہوا۔ قافلہ میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ تو کہا کہ گھنٹی بجانا ممنوع ہے کفار مندروں میں گھنٹی بجاتے ہیں تو اہل قافلہ نے کہا کہ اس بارے میں ہمیں تم سے زیادہ معلومات ہیں۔ ممانعت بڑے بڑے گھنٹوں کی ہے ان چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں میں کوئی حرج نہیں۔ تو سالم خاموش ہو گئے اور صرف اتنا کہا کہ أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ یعنی جاہلوں کے مُنہ نہ لگنا ہی بہتر ہے۔ کہا جاتا ہے اولیتہ معروفاً، عادفا و عارفۃ۔ سب کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کارِ نیک۔ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ بندوں کو نیک کام کا حکم دو۔ لفظ معروف کے اندر تمام طاعات داخل ہیں اور جاہلوں سے اعراض کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اگرچہ اُس کے مامور بظاہر ی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن درحقیقت سب ہی بندے مامور ہیں۔ اس کے ذریعہ بندوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو اس کو برداشت کر لو۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی خدا کے حقوق واجبی میں قصور کرے تو بھی اعراض کر جاؤ۔ یا اللہ سے کفر کرے یا وحدانیت سے جاہل ہے تو بھی درگذر کرو یا مسلمانوں سے اپنی جہالت کے سبب لڑے تو بھی خاموش ہو جاؤ۔ غرض یہ کہ ایسی غلط فہمی نہ ہونا چاہیے یہ وہ اخلاق ہیں جن کی تعلیم اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے۔ اس مضمون کو ایک عقلمند شاعر نے بہت عمدگی سے شعر میں کہا ہے کہتا ہے ؎

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِعُرْفٍ كَمَا ✦ أُمِرْتَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينْ ✦ وَلِنْ فِي الْكَلَامِ لِكُلِّ الْأَنَامِ ✦ فَمُسْتَحْسَنٌ مِنْ ذَوِي الْجَاهِ لِينْ

"معاف کرنے کی عادت رکھو، نیک کاموں کی رہبری کیا کرو۔ اور جاہلوں سے اعراض کرو، ہر شخص کے ساتھ بات میں نرمی برتو اور بلند مرتبے والوں کے لئے بات میں نرمی برتنا اور بھی زیادہ مستحسن ہے۔"

بعض علماء کا مقولہ ہے کہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو مردِ محسن کہ جو کچھ وہ خوشی سے تجھ پر احسان کرے شکریہ کے ساتھ قبول کر لے اور اس کی طاقت سے زیادہ اُس پر بار نہ ڈال کہ وہ خود دب کر رہ جائے۔ دوسرا برے قسم کا آدمی۔ اس کو امر نیک کا مشورہ دیتا رہ لیکن لیکن اگر اس کی گمراہی بڑھتی ہی جائے اور وہ اپنی جہالت پر قائم رہے تو اس سے اعراض کر لو۔ شاید یہی درگذر اس کی بُرائی سے اُس کو روک دے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ بہترین طریق سے مدافعت کرو پھر اس طرح دشمن بھی تمہارے دوست بن جائیں گے۔ ہم خوب

جاتے ہیں جو کچھ وہ اظہارِ خیال کرتے ہیں اور کہا کرو کہ اے خدا میں شیطان کے بہکانے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے تیری پناہ کہ شیطان کا عمل دخل میرے پاس ہو۔ اور فرمایا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوا کرتے۔ مدافعت اور ردِ جواب اچھے ڈھنگ سے کیا کرو۔ یہ بات وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو طبیعت کے صابر ہیں۔ نتیجہ میں اُن کو بڑی کامیابی حاصل رہے گی۔ خوش قسمت ہی اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اگر شیطان تمہارے دل میں کچھ وسوسے ڈالے اور بہکانے لگے یا تمہیں دشمن سے نمٹنے کے وقت غضب میں لائے اور اس جاہل سے اعراض کرنے سے تمہیں روک دے۔ اور اس سے تعاون پر تمہیں آمادہ کرے تو خدا سے پناہ مانگنے لگو جاہل کی تم پر زیادتی کو بھی خدا دیکھ رہا ہے اور تمہارے پناہ مانگنے کو بھی سُن رہا ہے اس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں شیطان کے اغوا اور فساد انگیزیاں تم کو جس قدر نقصان پہنچا سکتی ہیں خدا اس سے علیم و واقف ہے۔ جب خُذِ الْعَفْوَ والی آیت اُتری تو بندے نے کہا یا الٰہی غصہ آجائے تو کس طرح عفو کیا جائے؟ تو فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ والی آیت نازل ہوئی۔ ان دو آدمیوں کا واقعہ سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں آپس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑ بیٹھے حتیٰ کہ ایک کے غصہ کے مارے نتھنے پھول گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر وہ پڑھے تو اس کا غصہ تھم جائے وہ کلمہ یہ ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اس کو یہ بات بتا دی گئی تو کہا مجھے کچھ جنون نہیں ہے۔ نَزْغ کے اصلی معنی فساد کے ہیں یہ فساد خواہ غضب کی وجہ سے ہو یا بلا غضب۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے نبی! میرے بندوں سے کہدو کہ بات اچھے ڈھنگ سے کیا کرو۔ شیطان آپس میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ عیاذ کے معنی ہیں شر سے پناہ مانگنا اور ملاذ طلبِ خیر میں ہوا کرتا ہے۔ استعاذہ کی حدیثیں اول تفسیر میں پہلے گزر چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيْفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ (۲۰۱) وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ (۲۰۲)

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے

اغوا شیطان سے محفوظ رہنے کا کامیاب طریقہ

جن بندوں نے امرِ خداوندی کی اطاعت کی اور ممنوعات سے باز رہے ہیں اگر شیطانی وسوسے انہیں دامنگیر ہوتے ہیں تو فوراً انہیں ذکرِ الٰہی کی یاد آجاتی ہے۔ اس لفظ کو بعض طیف اور بعض طائف کہتے ہیں۔ یہ دونوں قرأتیں مشہور ہیں اور معنی ایک ہی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ کچھ فرق بھی ہے بعض نے اس کے معنی غضب بتائے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ شیطان نے اگر آسیب زدہ کر دیا ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ گناہ کی وجہ سے ندامت اور رنج۔ بعض نے کہا ہے کہ ارتکاب گناہ۔ ایسے لوگوں کو خدا کی عقوبت، عطاءِ ثواب، خدا کے وعدے اور وعید آجاتے ہیں تو وہ توبہ کرنے لگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف جُھک جاتے ہیں اور فوراً اس کی طرف رُجوع کر کے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ وہ فوراً اہلِ بصیرت بن جاتے ہیں بے ہوشی میں تھے تو ہوش میں آجاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اس کو مرگی کی بیماری تھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کی یا رسول اللہ! خدا تعالیٰ سے میری شفا کے لئے دعا فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا اگر یہی تیری مرضی ہے تو میں خدا سے دعا کرتا ہوں وہ تجھے شفا دیدے گا اور اگر تو چاہے تو صبر کر اور بروزِ قیامت حساب تجھ پر سے اُٹھ جائے تو کہنے لگی۔ اچھا میں بیماری پر صبر کروں گی جب کہ مجھے حساب سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے صرع کی بیماری ہے ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہیں جسم پر سے کپڑا کھل جاتا ہے برہنہ ہو جاتی ہوں۔ بیماری دور نہ ہو تو نہ ہو دعا کیجئے کہ کم از کم میرا کپڑا نہ کھلنے پائے۔ آپ نے دعا فرمائی اور پھر کبھی بحالتِ صرع کپڑا اس کے جسم پر سے نہ ہٹا کہتے ہیں کہ ایک نوجوان ایک مسجد میں بیٹھا عبادت کیا کرتا تھا۔ ایک عورت اس کی دیوانی ہو گئی۔ اس کو اپنی طرف مائل کرتی رہتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک دن

وہ اس کے گھر آ ہی گیا۔ اب فوراً اس کو یہ آیت یاد آگئی اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ اور ساتھ ہی وہ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو پھر یہی آیت پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے جان دیدی۔ حضرت عمرؓ آئے اُس کے باپ سے تعزیت کی۔ وہ رات کو دفن کر دیا گیا تو عمرؓ اپنے بعض ساتھیوں کو لے کر اُس کی قبر پہ گئے اس کی نماز مغفرت پڑھی، پھر قبر سے مخاطب ہو کر یوں بولنے لگے۔ اے نوجوان! وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ یعنی جو خدا تعالیٰ سے ڈر گیا اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دو جنتیں ہیں۔ اس آیت کریمہ کو سُن کر قبر کے اندر سے آواز آئی کہ اے عمرؓ! مجھے دونوں جنتیں بخشی ہیں۔ قولہ تعالیٰ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ یعنی ان کے ساتھی انسانی شیاطین اُن کو گمراہی کی طرف اور گھسیٹے لئے جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔ یعنی فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں یعنی اُن کے تابعین اُن کی باتوں کو تسلیم کرنے والے انھیں اور گمراہی کی طرف لئے جا رہے ہیں، معاصی ان پر آسان بناتے ہیں اور گناہوں کو ان کی نگاہوں میں مستحسن کر دکھلاتے ہیں۔ مدّ کے معنی زیادتی کے ہیں یعنی جہل اور گمراہی میں زیادتی کرتے ہیں ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ۔ یعنی یہ شیاطین اپنی کوششوں میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نہ تو انسان ہی اپنے اعمالِ بد کے ارتکاب سے رُکتے ہیں اور نہ شیاطین ان سے باز رہتے ہیں۔ گمراہی کی طرف کھینچ لے جانے والے جن و شیاطین ہیں جو اپنے متبعین کی طرف اپنی وحی بھیجتے رہتے ہیں اور اس میں اپنی کوشش اُٹھا نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ ان کی فطرت اور طبیعت ہی ایسی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ یعنی اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں کے پاس بھیجا جو اُن کافروں کو معاصی کی طرف مائل کرتے رہتے ہیں

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے آپ فرما دیجئے کہ میں اسی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف

مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (١٥)

حکم بھیجا گیا ہے یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

اتباع وحی

یہ لوگ کسی معجزے اور نشانی کے طالب ہوتے ہیں اور تم نہیں پیش کرتے ہو تو کہتے ہیں کہ کوئی نشانی تم نے خود کیوں نہیں بنا ڈالی۔ اپنی طرف سے کیوں نہ گھڑ لیا یا آسمان سے کوئی نشانی کیوں نہ کھینچ لائے۔ آیت سے مُراد معجزہ اور خرقِ عادت ہے جیسا کہ فرمایا اگر ہم چاہیں تو آسمان سے معجزہ اُتار دیں جس کو دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں۔ یہ کافر بھی ہمارے رسول سے کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے کوئی نشانی حاصل کرنے کی تم کوشش کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم اس کو دیکھ لیں تو ایمان لائیں۔ تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ کہہ دو کہ میں اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو خدا کا بندہ ہوں جو مجھے حکم بھیجا گیا اس کی تعمیل کرنے والا۔ اگر اُس نے از خود کوئی معجزہ بھیجا تو میں نے پیش کر دیا۔ اگر نہ بھیجا تو میں اصرار نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ یہ قرآن ہی سب سے بڑا معجزہ ہے اس میں دلائلِ توحید ایسے واضح ہیں کہ خود معجزہ بنے ہوئے ہیں هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (١٦)

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو

ف سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہ العزیز سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت فضول خرچی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا بھی لٹا دی جائے تو فضول خرچی نہیں اور اگر ایک پیسہ بھی ایسی جگہ استعمال ہو جہاں استعمال کرنا خدا تعالیٰ کے غضب کا باعث ہو یہی فضول خرچی ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

کلام اللہ کو سننے کے آداب

جب اس بیان سے فراغت حاصل ہو چکی کہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے اور لوگوں کے لئے سمجھنے کی چیز ہے تو اب ارشاد ہوتا ہے کہ اُس کی تلاوت کے وقت خاموش رہا کرو تاکہ اس کا احترام اور تعظیم کی جاسکے۔ ایسا نہیں جیسا کہ کفارِ قریش کرتے تھے یعنی کہتے تھے کہ قرآن نہ سُنو نہ سُننے دو۔ قرآن خوانی کے وقت شور و غوغا مچایا کرو۔ لیکن یہ سکوت کی تاکید فرض نماز کے بارے میں ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ امام باآوازِ بلند قرأت کر رہا ہو۔ جیسا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام نماز پڑھنے لگے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ اور جب وہ قرأت کرنے لگے تو خاموش ہو جاؤ۔

ابوہریرہ رض کہتے ہیں کہ اس آیت کے اُترنے سے پہلے لوگ نماز پڑھنے میں باتیں کر لیا کرتے تھے چنانچہ جب یہ آیت اُتری کہ خاموش ہو جاؤ اور قرآن سُنو تو سکوت کا حکم دیا گیا۔ ابن مسعود رض کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں ایک دوسرے کو سلام علیک کہہ لیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ آیت اُتری۔ ابن مسعود رض نماز پڑھا رہے تھے۔ لوگوں کو دیکھا کہ امام کے ساتھ خود بھی قرأت کر رہے ہیں تو نماز ختم کرکے کہا "تمھیں کیا ہو گیا کہ قرآن سُننے نہیں سمجھتے نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خاموش رہ کر سُننے کی ہدایت فرمائی ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی (یہ آیت مکی ہے اور انصار کے قبولِ اسلام سے پہلے نازل ہوئی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے تو وہ بھی آپ کے پیچھے پڑھتا تھا۔

ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالجہر نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی خود بھی میرے ساتھ ساتھ پڑھتا ہے تو ایک شخص نے کہا۔ ہاں یارسول اللہ۔ تو آپ نے فرمایا مجھے کیا ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ قرآن پڑھا جاتا ہے چنانچہ اس کے بعد لوگ صلوٰۃ بالجہر میں امام کے پیچھے قرأت کرنے سے رُک گئے۔ زہری نے کہا ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ امام کی اپنی قرأت بھی تمھارے لئے کافی ہے اگرچہ اس کی آواز تمھیں سُنائی نہ دے۔ لیکن نماز بالجہر نہ ہو تو لوگ خود پڑھ لیا کرتے تھے لیکن یہ درست نہیں کہ کوئی شخص جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرے۔ نہ پوشیدہ کرے نہ علانیہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن خوانی کے وقت خاموشی اختیار کیا کرو میں کہتا ہوں کہ یہ طریقہ علماء کی ایک جماعت کا ہے کہ مقتدی پر نماز جہریہ میں یہ واجب نہیں ہے کہ قرأت خود بھی کرے نہ امام کے فاتحہ پڑھنے کے وقت نہ غیر فاتحہ پڑھنے کے وقت اور شافعی رح کے دو قول ہیں۔ جن میں ایک قول یہ بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رح اور احمد حنبل رح کہتے ہیں کہ مقتدی ہرگز قرأت نہ کرے نہ سری نماز میں نہ جہری میں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ امام کی قرأت تمھاری قرأت ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے ف یہ مسئلہ بہت بسیط ہے اور مختلف فیہ ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت واجب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ واللہ اعلم

قرآن پڑھا جانے لگے تو خاموشی سے سُنو یعنی جبکہ صلوٰۃ مفروضہ میں پڑھا جا رہا ہو۔ ابن عباس کا قول ہے۔ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز کہتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح کو باہم باتیں کرتے پایا حالانکہ دوسری طرف وعظ ہو رہا تھا۔ تو میں نے کہا کہ ذکرِ خدا کیوں نہیں سُنتے۔ تم وعید کے قابل ہو رہے ہو۔ تو ان دونوں نے میری طرف دیکھا پھر اپنی باتوں میں لگ گئے۔ میں نے دوبارہ انھیں تنبیہ کی۔ انھوں نے میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں لگ گئے۔ میں نے تیسری بار اپنی بات کا اعادہ کیا تو کہنے لگے کہ یہ حکم نماز سے متعلق ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہو اور تم مقتدی ہو تو خاموش ہو کر سُنو تم بھی نہ پڑھنے لگو۔ مجاہد اور دوسرے بھی کئی راوی اسے حکمِ قرآن سے متعلق ہی بتلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کوئی شخص نماز میں نہ ہو اور قرآن پڑھا جا رہا ہو تو پھر باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ زید بن اسلم بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ حکم نماز اور خطبہ یوم جمعہ سے متعلق ہے۔ ابن جبیر کہتے ہیں کہ یوم الاضحیٰ اور عید الفطر اور یوم جمعہ کے خطبے اور جہری نماز سے متعلق ہے۔ غیر جہری نماز سے متعلق نہیں ہے۔ ابن جریر نے بھی یہی اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد چپ رہنا ہے نماز میں اور خطبے میں۔ اور یہی حکم ہے کہ خطبے میں اور امام کے پیچھے چپ رہا کرو حدیث میں بالکل یہی حکم ہے۔ مجاہد اس بات کو بہت ہی بُرا سمجھتے تھے کہ جب

ف یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے احناف کے یہاں امام کے پیچھے بہرحال خاموشی اور سکوت اختیار کیا جائے گا خواہ امام قرأت بلند آواز سے کر رہا ہو یا قرأت سری ہو جیسا کہ ظہر عصر وغیرہ میں ۱۲ انظر شاہ کشمیری ف خدا تعالیٰ ابن کثیر کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ حق ان کی زبان پر جاری ہو گیا ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

امام کوئی آیتِ خوف یا آیتِ رحمت پڑھے تو بولنے لگیں۔ نہیں بلکہ خاموش رہیں، اپنی زبان سے جذباتِ خوف و رجا کے تحت کچھ نہیں کہنا چاہئے۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو قرآن کی کوئی آیت خاموش ہو کر سُنے تو اُس کے لئے دوگونہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے قرآن قیامت کے دن اُس کے لئے نور بن جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ

اور (آپ ہر ہر شخص سے یہ بھی کہد یجئے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ

وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

اور شام (یعنی علی الدوام) اور اہلِ غفلت میں شمار مت ہونا یقیناً جو (ملائکہ) تیرے رب کے نزدیک (مقرب) ہیں وہ اس کی عبادت سے (جس میں حسبِ ذیل عقائد بھی)

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (جو کہ طاعت لسانی ہے) اور اس کو سجدہ کرتے ہیں (جو کہ اعمال جوارح سے ہے)

خدا تعالیٰ سے سرگوشی

اللہ پاک حکم دیتا ہے کہ دن کی ابتدا میں اور دن کے آخری حصے میں خدا کو بہت یاد کرو۔ جیسا کہ ان دونوں وقتوں میں خدا کی عبادت کرنے کا اس آیت کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور اسی طرح غروب سے قبل خدا کی حمد کی تسبیح کیا کرو۔ اور یہ شبِ معراج میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ اور یہ آیت مکی ہے غُدُوٌّ کے معنی اوّلِ نہار کے ہیں اور اٰصَال اصیل کی جمع ہے۔ جیسے اَیمان یمین کی جمع ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اپنے رب کو دل سے بھی یاد کرو اور زبان سے بھی۔ اس سے رغبت رکھ کر بھی اور اس سے ڈر کر بھی۔ بلند آواز کے ساتھ نہیں۔ اور یہ مستحب ہے کہ خدا کا ذکر چیخ پکار کے ساتھ نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ آیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے یا دُور؟ اگر قریب ہے تو ہم سرگوشی کے طور پر اُس کو مخاطب کریں۔ اور اگر دُور ہے تو آواز دیں گے۔ تو اللہ پاک نے یہ آیت اُتاری کہ "میرے بندے میرے بارے میں پوچھتے ہیں تو ان سے کہدو کہ میں بہت قریب ہوں، وہ مجھے پکاریں تو میں پکارنے والے کی دعا کو سُنتا ہوں"۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ کسی سفر میں بلند آواز سے دعا کرنے لگے تو اُن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو، تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو جس کو پکار رہے ہو وہ سُننے والا اور قریب ہے تمہاری شہ رگِ گردن سے بھی قریب تر اس آیت سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے جو اس آیت میں ہے کہ "اپنی دعا اور نماز نہ بہت بلند آواز سے پڑھو۔ ورنہ بہت آہستہ آواز سے بلکہ دونوں کی درمیانی آواز ہو کیونکہ مشرکین جب قرآن سُنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن اُتارنے والے اور لانے والے کو بُرا بھلا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بہت بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو تاکہ مشرکین کو اذیت نہ ہو اور نہ اتنی پست آواز میں کہ تمہارے ساتھی بھی نہ سُن سکیں۔ اس آیتِ کریمہ میں بھی یہی مضمون ہے کہ صبح و شام کی عبادت میں بلند آواز سے نہ پڑھو اور نادانوں میں سے نہ ہو۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ سامع قرآن کو حکم دیا جائے کہ اس طریقہ سے نماز اور عبادت کی جائے۔ اور یہ بات بعید ہے اور آہستہ پڑھنے کے حکم کے منافی ہے اور پھر اس سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ حکم متعلق بہ نماز ہے جیسا کہ ماسبق میں گذرا۔ یہ صلوٰۃ اور خطبہ سے متعلق ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے وقت ذکر کرنے سے افضل خاموش رہنا ہے۔ خواہ وہ ذکر آہستہ ہو یا بلند آواز سے ہو۔ یہ چیز جو ان دونوں نے بیان کی اس کی متابعت نہیں کی گئی۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ بندوں کو صبح و شام ہر وقت کثرتِ ذکر پر اُبھارا جائے تاکہ وہ کسی وقت بھی ذکرِ خدا سے غافل نہ رہیں۔ اسی لئے تو ان ملائکہ کی مدح کی گئی ہے جو صبح و شام خدا کی تسبیح کرنے میں غفلت نہیں کرتے چنانچہ فرمایا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ۔ ان فرشتوں کی مثال محض اس لئے بیان کی گئی تاکہ بندے کثرتِ طاعت میں فرشتوں کی اقتدا کریں۔ اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور جب اللہ کے ذ ... ول کے سجدہ

کرنے کا ذکر فرمایا تو ایسا ہی سجدہ ہمارے لئے بھی مشروع فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ تم بھی عبادتِ خدا کیلئے ایسی ہی صفیں کیوں نہیں باندھتے جیسے کہ فرشتے اپنے رب کے سامنے صفیں باندھے رہتے ہیں اور پہلی صف والوں کو اولیت حاصل ہے اور صفوں میں صحیح اور سیدھی صف بندی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ یہاں جو سجدہ تلاوت ہے وہ قرآن کا سب سے پہلا سجدۂ تلاوت ہے جس کا ادا کرنا تلاوت کرنے والے اور سننے والے سب پر بالاجماع مشروع ہے۔ اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سجداتِ قرآن میں سے قرار دیا ہے۔ بعونہ تعالیٰ تفسیر سورۂ اعراف ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ انفال مدنیہ

اس میں چھیالیس آیتیں ہیں، ایک ہزار چھ سو اکتیس کلمات ہیں اور پانچ ہزار دو سو چورانوے حروف ہیں۔ واللہ اعلم۔

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ خَمْسٌ وَّ سَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّ عَشْرُ رُکُوْعَاتٍ

کلماتہا ۱۲۵۳　　حروفہا ۵۵۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

جو لوگ آپ سے (خاص) غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں سو تم اللہ سے ڈرو

وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

مالِ غنیمت کی تقسیم، طریقہ تقسیم اور اس سے متعلق احکام وغیرہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "انفال" مالِ غنیمت کو کہتے ہیں اور کہا کہ سورۂ انفال غزوۂ بدر میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ انفال وہ غنیمت ہیں کہ وہ کسی کا حق نہیں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب سے جب کوئی بات پوچھی جاتی تو کہتے کہ نہ میں اجازت دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرنے والا، حکم دینے والا اور حلال و حرام کی تشریح کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ قاسم کہتے ہیں کہ ابن عباس کے پاس ایک آدمی آیا اور انفال کے بارے میں آپ سے سوال کیا۔ آپ نے کہا کہ انفال یہ ہے کہ ایک آدمی جنگ میں دوسرے کو مار کر اس کا گھوڑا اور ہتھیار مالِ غنیمت کے طور پر لے۔ اس آدمی نے پھر سوال کیا، تو آپ نے پھر ویسا ہی جواب دیا۔ پھر اس نے سوال کیا تو آپ کو غصہ آ گیا اور آپ اس پر حملہ کرنے کے قریب ہو گئے۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کی مثال تو اس شخص کی طرح ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے مارا تھا حتیٰ کہ خون اس کی ایڑی اور پاؤں پر بہنے لگا تھا۔ تو اس آدمی نے کہا کہ کیا تم بھی وہ نہیں ہو کہ عمر رضی اللہ عنہ کا بدلہ اللہ نے تم سے لیا ہے۔ یہ اسناد صحیح ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نفل کی تفسیر اس مالِ غنیمت سے کی جو جنگ میں چھینا جاتا ہے اور امام بعض اشخاص کو اصل غنیمت سے تقسیم کے بعد بھی اور زیادہ دیدیتا ہے اور اکثر فقہاء نے بھی انفال کا مطلب یہی اخذ کیا ہے۔ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانچویں حصہ کے بارے میں پوچھا جو چار حصے خارج کرنے کے بعد رہ جائے تو یہ آیت اتری یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مسروق کہتے ہیں کہ "نفل" کا اطلاق بروزِ جنگ چھینے ہوئے مال پر نہیں بلکہ جنگ کی صفیں قائم کرنے سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ وہ تو ایک قسم کی زیادتی ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے لوگ اس لونڈی غلام سواری اور

سامان وغیرہ کے بارے میں پوچھتے ہیں جو بغیر جنگ کے مشرکین سے مسلمانوں کو ملا ہو۔ سو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے وہ جس طرح چاہیں اس کو خرچ کریں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مال فئے کو انفال سمجھتے ہیں۔ اور فئے وہ مال ہے جو کفار سے بغیر قتال حاصل ہو۔ اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سرایا سے جو مال مل جائے وہ انفال ہے یعنی مسلمان کافروں سے لڑنے کے لئے گئے ہوں اور کافر لڑے بغیر اپنا مال ومتاع اور سامان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں اور یہ مال مسلمانوں کے ہاتھ آگیا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کے ساتھ نہ ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لشکر کے کسی رسالے کو اس کی کارگذاری کے عوض میں یا اس کی حوصلہ افزائی کی خاطر امام وقت انھیں عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے دے۔ سعد ابن ابی وقاص رض کہتے ہیں کہ جنگِ بدر میں میرا بھائی عمیر قتل کر دیا گیا تھا تو میں نے بھی سعید بن العاص کو قتل کر دیا اور اس کی تلوار لے لی جس کا نام ذو الکتیفہ تھا۔ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مالِ مقبوضہ کے ذخیرہ میں ڈال آؤ۔ میں ڈالنے جا رہا تھا اس وقت میرے دل کی حالت کو خدا ہی جانتا تھا۔ ایک تو بھائی کا قتل، دوسرے جو کچھ میں نے چھینا تھا وہ بھی لے لیا گیا۔ لیکن میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورۂ انفال کی یہ آیتیں اتریں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر کہا کہ جاؤ اپنا چھینا ہوا مال لے لو۔ سعد بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول! اللہ نے آج مجھے مشرکین کی ہزیمت سے شفا بخشی ہے۔ اب یہ تلوار مجھے بخش دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ تلوار نہ تمہاری ہے، نہ میری اس کو رکھ دو۔ میں نے رکھ دی اور واپس ہوا اور دل میں خیال کر رہا تھا کہ مجھے نہیں ملی تو کوئی ایسا شخص پائے گا جو مجھ جیسا مستحق نہیں اور جس نے نہ ایسی مصیبت برداشت کی جیسی میں نے کہ یکایک کسی نے مجھ کو پیچھے سے آواز دی۔ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی لیکن وہ میری تھی نہیں کہ تمھیں دیتا۔ اب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے دیدی ہے تو اب تمھیں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہے کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ج۔

سعد کہتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیتیں اتری ہیں۔ جنگِ بدر میں ایک تلوار پر میں نے قبضہ کیا تھا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ یہ تلوار مجھے بخش دیجئے۔ آپ نے فرمایا جہاں سے لی ہے وہیں رکھ دو۔ آپ نے دو دفعہ کہا۔ میں نے پھر درخواست کی تو آپ نے پھر یہی کہا۔ چنانچہ انفال والی آیت اتری۔ اور مجھ سے متعلق دوسری آیت ہے۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ الخ تیسری آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ الخ۔ اور چوتھی آیت وصیت۔

مالک بن ربیعہ کہتے ہیں کہ بدر کے روز ابن عائذ کی تلوار میرے قبضہ میں آئی جس کا نام مرزبان تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنا اپنا لوٹا ہوا مال رکھ دو۔ تو میں نے بھی یہ تلوار رکھدی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ کوئی کچھ مانگے تو سوالی رد نہیں کرتے تھے۔ ارقم نے یہ تلوار دیکھ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ لی اور آپ نے دیدی۔

نزولِ آیت کا دوسرا سبب ۔ ابو امامہ کہتے ہیں کہ انفال کے بارے میں میں نے عبادہ سے سوال کیا تو انھوں نے کہا ہمارے ساتھ مجاہدینِ بدر بھی تھے۔ اور یہ آیت اس وقت اتری ہے جب کہ انفال کے لئے ہم میں اختلاف پڑ گیا اور ہم آپس میں تیز و تلخ باتیں کرنے لگے تو بات اللہ نے ہمارے ہاتھ سے لے لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی۔ اب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مالِ غنیمت مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔ عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ میں بدر میں آپ کے ساتھ شریک تھا۔ اللہ نے دشمن کو شکست دیدی۔ اب ایک جماعت نے تو دشمنوں کا تعاقب کیا اور بھاگتوں کو قتل کیا۔ اور ایک جماعت لشکر پر آپڑی کہ اُن کا محاصرہ کر رہی تھی اور ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لئے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہی تھی کہ کہیں دشمن کوئی گزند نہ پہنچائے۔ جب رات ہوگئی اور مالِ غنیمت تقسیم کرنے لگے تو جن لوگوں نے مالِ غنیمت کو سمیٹ کر محفوظ کیا تھا کہنے لگے کہ اس کے صرف ہم حقدار ہیں اور جو دشمن کے تعاقب میں گئے تھے ان کا کہنا تھا کہ ہم دشمن کی شکست کا سبب ہیں اس لئے صرف ہم حقدار ہیں اور جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی وہ کہتے تھے کہ ہم کو اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت کو گزند نہ پہنچے۔ اس لئے ہم تو ایک جماعت بن کر ہم کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ انفال تو اللہ اور اللہ کے رسول کا ہے۔ بس اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح قائم رکھو۔ اب آپ نے مسلمانوں میں اس کی تقسیم کر دی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب دشمن پر ہوتے تو اسی روز وہیں چوتھائی مالِ غنیمت تقسیم کر دیتے اور جب واپس

ہو چکتے تو تہائی کی تقسیم کر دیتے اور اپنے لئے اس کو نامناسب سمجھتے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ جنگِ بدر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو ایسی ایسی کارگزاریاں بتائے گا اس کو ایسا ایسا انعام ملے گا۔ اب نوجوان تو اپنی کارگزاری بتانے کی کوشش میں لگ گئے اور بڈھوں نے مورچے اور جھنڈے سنبھال لئے اور جب مالِ غنیمت آیا تو جس کے لئے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ لینے کے لئے آیا۔ بوڑھوں نے کہا تم کو ہم پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ ہم تمہارے پشت پناہ بنے ہوئے تھے اگر تمہیں ہزیمت ہوتی تو ہمارے ہی پاس تم کو پناہ ملتی۔ بات بڑھ گئی جھگڑا ہوا تو انفال والی آیت اتری۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بدر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کیا اس کو مالِ مقتول میں سے یہ انعام۔ اور جو کسی کو قید کر لائے اس کو یہ انعام۔ چنانچہ ابو الیسر دو قیدی لائے اور کہا یا رسول اللہ! آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ تو سعد بن عبادہ بول اُٹھے کہ یا رسول اللہ! اگر آپ نے اس طرح دے دیا تو آپ کے دوسرے اصحاب کے لئے کچھ نہ بچے گا۔ ہم جو میدانِ جنگ میں رُکے رہے تو اس کا سبب کچھ یہ نہیں تھا کہ ہم کو مال کا یا معاوضہ کا لالچ تھا اور نہ یہ کہ ہم دشمن سے گھبراتے تھے۔ ہم تو یہاں صرف اس لئے ٹھیرے رہے کہ کہیں آپ پر پیچھے سے حملہ نہ ہو جائے۔ مقامی حفاظت کی بھی سخت ضرورت تھی۔ غرض یہ کچھ جھگڑا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ارشادِ باری ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ یعنی جو مالِ غنیمت تم کو ملا ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کا ہے۔ امام ابو عبید اللہ نے اپنی کتاب "الاموال الشرعیہ" میں لکھا ہے کہ انفال ما اصاب من غنیمت کو کہتے ہیں اور ہر وہ مال جو حربیوں سے مسلمانوں کو ملے۔ انفال پر سب سے پہلے تو رسول کا حق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرما دیا ہے۔ آپ نے یومِ بدر میں اُس کی تقسیم حسبِ ہدایتِ باری تعالیٰ خمس نکالے بغیر کی تھی۔ جیسا کہ حدیثِ سعد میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت خمس نازل ہوئی۔ تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی۔ ابن زید کا بیان ہے کہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ وہ بھی قائم ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں اور بھی حدیثیں آئی ہیں۔ انفال مجتمعہ مالِ غنیمت کو کہتے ہیں۔ لیکن اُس میں سے خمس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کے لئے مخصوص ہے جیسا کہ قرآن میں ہے اور حدیثوں میں ہے۔ "انفال" کلامِ عرب میں ہر وہ احسان ہے جو محسن نے محض سلوک کے طور پر کیا ہو اور اس پر احسان کرنا واجب نہ ہو یہی ہے وہ مالِ غنیمت جس کو اللہ نے مؤمنین کے لئے حلال کر دیا ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے کہ ہم مسلمان ہی اس سے مخصوص ہیں اور مسلمانوں سے پہلے دوسری اُمتوں پر مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خمس کا حقدار بنایا گیا ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کو خمس نہیں دیا گیا تھا۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ امام اگر فوج کے افراد کو کوئی انعام دے جو ان کے مقررہ حصے کے علاوہ ہو تو اس کو نفل یا انفال کہتے ہیں اور یہ اس کی کارگزاریوں اور دشمن پر زور دار حملہ کا لحاظ کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ نفل جو امام کی طرف سے اعترافِ حُسنِ کارگزاری کے طور پر ملتا ہے چار طریقوں پر ہوتا ہے۔ ہر طریقہ اپنی جگہ پر دوسرے طریقہ سے الگ ہے۔ ایک تو مقتول کا لوٹا ہوا مال و اسباب اس میں سے کوئی پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا دوسرا وہ نفل جو پانچواں حصہ الگ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر دشمن کے مقابلہ میں بھیجا اور یہ غنیمت کا مال لے کر لوٹا۔ تو امام اس میں سے اس لشکر کو چوتھائی یا تہائی اپنے صوابدید کے مطابق تقسیم کر دے۔ تیسرا یہ طریقہ جو خمس نکال کر باقی تقسیم کیا جانے والا ہے اُس میں سے اپنے صوابدید اور حسبِ کارگزاری جس کو جتنا مناسب سمجھے دے اور باقی تقسیم کر دے۔ چوتھی صورت یہ کہ ساری غنیمت میں سے نفل دے قبل اس کے کہ خمس نکالے۔ اور یہ سقاؤں چرواہوں سائیسوں اور دیگر مزدوروں کا حق ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ کئی صورتوں سے اُس کی تقسیم ہوتی ہے۔

امام شافعی رح کہتے ہیں کہ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے مجاہدین کو مقتولین کا جو سامان اور مال و متاع دیا جاتا ہے وہ انفال میں داخل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حصہ جو پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ تھا اس میں سے آپ جسے چاہیں اور جتنا چاہیں عطا فرمائیں۔ یہ بھی نفل ہے۔ پس امام کو چاہیے کہ دشمنوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت اور اسی قسم کے ضروری مواقع کا لحاظ رکھتے ہوئے سُنت کی پیروی کرے اگر ایسی مصلحت درپیش نہ ہو تو نفل نکالنا ضروری نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ایک جماعت کافروں سے لڑنے کے لئے بھیجتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ جو شخص جو کچھ حاصل کرے اس میں سے پانچواں حصہ تو الگ کر دے اور باقی لے لے اور یہ بات لڑائی پر جانے سے پہلے ہی باہمی رضامندی سے طے پا چکی ہوتی ہے۔ لیکن اُن کے اس بیان میں جو کہا گیا ہے کہ بدر کی غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔ اس پر اعتراض دربائش ہے۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا تھا کہ دو اونٹنیاں وہ ہیں جو انھیں بدر کے دن پانچویں حصے میں سے ملی تھیں۔ میں نے اس کا پورا بیان

کتاب السیرۃ میں کر دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ۪ یعنی اپنے امور میں اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کُل سے رہو، نہ ایک دوسرے پر ظلم کرو، نہ دشمن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو ہدایت اور علم دیا ہے کیا یہ اس مال سے بہتر نہیں جس کے لئے تم لڑ رہے ہو۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ نبی جو تقسیم کرتے ہیں وہ خدا کے حسب ارادہ ہی کرتے ہیں۔ اُن کی تقسیم عدل و انصاف پر مبنی ہوتی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ کے معنی ہیں کہ آپس میں لڑو جھگڑو نہیں اور گالی گلوچ نہ بکو۔

انس رض کہتے ہیں کہ ہم نے ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں تو حضرت عمر رض نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کیوں تبسم فرما رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ میرے دو امتی خدا کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایک خدا سے کہتا ہے کہ یا رب اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے میں بدلہ چاہتا ہوں۔ اللہ پاک اس سے فرماتا ہے کہ اپنے ظلم کا بدلہ ادا کرو۔ ظالم جواب دیتا ہے۔ یا رب اب میری کوئی نیکی باقی نہیں رہی کہ ظلم کے بدلے میں اُسے دیدوں؟ تو وہ مظلوم کہتا ہے کہ اے خدا! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دے۔ یہ کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ لوگ اس بات کے حاجتمند ہوں گے کہ اپنے گناہوں کا بوجھ کسی اور کے سر دھر دیں۔ اب اللہ پاک طالب انتقام سے فرمائے گا کہ نظر اٹھا کر جنت کی طرف دیکھ! وہ سر اٹھائے گا جنت کی طرف دیکھے گا اور عرض کرے گا۔ یا رب! اس میں تو چاندی اور سونے کے محل ہیں موتیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ یا رب! یہ محل کس نبی اور کس صدیق اور شہید کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرتا ہے اس کو دیدیئے جاتے ہیں وہ کہے گا یا رب! کون اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ اب وہ عرض کرے گا یا رب کس طرح! اللہ جل شانہٗ ارشاد فرمائے گا وہ اس طرح کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے۔ وہ کہے گا یا رب میں نے معاف کیا۔ اللہ پاک فرمائے گا۔ اب تم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "خدا سے ڈرو آپس میں صلح قائم رکھو کیونکہ قیامت کے روز اللہ پاک بھی مؤمنین کے درمیان آپس میں صلح کرانے والا ہے۔"

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ

(کیونکہ) بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (اُن کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں

اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝۳

اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (اور) جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں

اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝۴

(بس) سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور (ان کے لئے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

رقت قلبی علامت ایمان ہے

منافقین جب فریضۂ صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو قرآن کی آیتیں ذرہ بھر ان کے دل پر اثر نہیں کرتیں۔ نہ اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، نہ خدا پر توکل کرتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں۔ جب کہ گھر میں ہوتے ہیں نہ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ مؤمن ایسے نہیں ہوتے۔ مؤمنین کا وصف اس آیت میں یوں فرماتا ہے کہ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو خدا کے خوف سے اُن کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ جب آیتیں اُن کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو تصدیق کرنے کے سبب ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ خدا کے سوا کسی دوسرے پر بھروسہ کرتے ہی نہیں۔ مؤمنین کی حقیقی پہچان یہی ہے کہ کسی معاملے میں خدا کا نام آ گیا تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا "مومنوں سے اگر کوئی گناہ کا کام سرزد ہو جاتا ہے یا حد سے بڑھ گیا تو انھوں نے توبہ کر لیا تو خود اُنھیں خدا کا

خیال یہ وہ موقع ہے جہاں رحمت الٰہی کے اس جوش و خروش پر حقیر کشمیری کی آنکھیں بے اختیار نم آلود ہو گئیں۔ خدارا جس ارباب ایمان و یقین کو ان سطور کے پڑھنے کا موقع ملے وہ بخشش کے لئے ضرور دعا کریں کہ بروز قیامت یہ عاجز و ناتواں خدائے رحمان و رحیم کی اس رحمت سے محروم نہ رہے۔ انظر شاہ کشمیری +

دھیان آجاتا ہے، وہ اپنے گناہوں سے استغفار کرنے لگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہوں کا بخشنے والا ہی کون ہے۔ غلطی سے گناہ ہو گیا تو بار بار اس پر اصرار نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھدار لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ "وہ جن کو خدا کا سامنا کرنے کا خوف دامنگیر ہے اور خواہش نفسانی ناجائز طور پر پوری کرنے سے رو باز رہا تو جنت درحقیقت اسی کا حق ہے۔ چنانچہ سدی مرد مؤمن کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر تو اس کا قلب کانپ اٹھتا ہے۔ اُمّ درداءؓ کہتی ہیں کہ دل خوف خدا سے دھڑکنے لگتے ہیں اور تن بدن میں ایک سوزش سی ہو جاتی ہے یہی تو وجہ ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب یہ کیفیت طاری ہو جائے تو بندہ کو چاہئے کہ اس وقت خدا سے اپنے مقصد کی دعا مانگنے لگے کیونکہ ایسے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "قرآن سن کر ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے" جیسا کہ فرمایا "جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو کوئی کہتا ہے کہ اس آیت سے تم میں سے کس کا ایمان بڑھ گیا" سو بات یہ ہے کہ اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے جو پہلے ہی سے مؤمن ہے اور جنت کی خوش خبری اسی کے حق میں ہے۔ امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہ نے اسی نوعیت کی آیتوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے جیسا کہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ بہت سارے ائمہ کا اسی پر اجماع ہے[1]۔ جیسے شافعی اور احمد بن حنبل اور ابو عبید جیسا کہ ہم نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ یعنی اس کے سوا کسی سے امید ہی نہیں رکھتے۔ اپنی پناہ اسی کو قرار دیتے ہیں۔ کچھ مانگتے ہیں تو اسی سے مانگتے ہیں اور ہر بات میں اسی کی طرف جھکتے ہیں، جانتے ہیں کہ وہ جو چاہے گا وہ ہو گا اور جو نہ چاہے گا وہ نہ ہو گا۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے حکم صرف اسی کا ہے۔ اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم نہیں، وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ توکل ایمان کا شیرازہ ہے اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ مؤمنین کے اعتقاد کا ذکر کرنے کے بعد ان کے اعمال سے آگاہی دی جا رہی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں کو دیتے دلاتے رہتے ہیں۔ یہ دونوں اعمال ایسے زبردست ہیں کہ تمام اعمال خیر پر مشتمل ہیں اقامت صلوٰۃ اللہ کے حقوق میں سے ہے۔ اقامت صلوٰۃ کہتے ہیں نماز کو اپنے اوقات پر پابندی کے ساتھ ادا کریں اور یہ کہ وضو میں اچھی طرح منہ، ہاتھ، پاؤں دھوئے گئے ہوں، رکوع اور سجود تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کئے گئے ہوں۔ قرآن کی تلاوت اس کے آداب کے ساتھ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد اور درود ہو۔ یہ ہے اقامت صلوٰۃ جو يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کا مفہوم ہے اور يُنْفِقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے کہ اگر زکوٰۃ کے قابل ہوں تو زکوٰۃ دیں۔ اور جو کچھ بھی ہے لوگوں کو دیتے دلاتے رہیں۔ بندوں کے واجب اور مستحب مالی حقوق ادا کرتے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو سب کی مدد کریں کیونکہ سب لوگ خدا کی عیال ہیں خدا کو وہی بندہ سب سے زیادہ مقبول ہے جو مخلوق کو سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔ تمہارے اموال خدا کی طرف سے تمہارے پاس گویا بطور امانت ہیں اور بہت جلد تمہارا مال تم سے جدا ہونے والا ہے اس لئے اس سے محبت نہیں ہونی چاہئے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ ان صفات سے جو متصف ہیں وہی حقیقی مؤمن ہیں۔

حارث بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ حارث! صبح کیسی گذری؟ حارث نے کہا ایک مؤمن حقیقی کی حیثیت سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خوب سمجھ کر کہو ہر شے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے بتاؤ تو سہی؟ تو حارث نے کہا کہ دنیا کی محبت سے میں نے روگردانی کر لی ہے، راتوں کو جاگ کر عبادت کرتا ہوں، دن کو روزے کے سبب پیاسا رہتا ہوں اور اپنے کو یوں پاتا ہوں گویا میرے سامنے عرش رب کھلا ہوا ہے اور گویا میں اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں اور اہل دوزخ کو گرفتار بلا دیکھ رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں اے حارث تم حقیقت ایمان تک پہنچ چکے ہو، اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا۔ قرآن زبان عرب میں نازل کیا گیا ہے اور حَقًّا کا لفظ ادبی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فُلَانٌ سَيِّدٌ حَقًّا۔ یعنی فلاں حقیقی سردار ہے اگرچہ قوم میں اور دوسرے بھی سردار ہیں۔ اور فلاں حقیقی تاجر ہے اگرچہ اور تاجر بھی بہت ہیں۔ اور فلاں حقیقی

[1] امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایمان میں زیادتی و کمی کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اصل ایمان تو نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے ہاں کیفیات ضرور بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً کبھی دل میں عبادت الٰہی کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور طاعت کی جانب رغبت ایمان کے انشراح کی علامت ہے اور کبھی شیطانی وساوس کے نتیجہ میں طاعات میں کمی ہوتی ہے اور یہ ایمان کی پژمردگی کا نتیجہ ہے تو گویا امام صاحب کے یہاں کیفیات بدل رہی ہیں اصل ایمان نہ بڑھ رہا ہے، نہ گھٹ رہا ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری

شاعر ہے۔ اگرچہ اور بہت سے شاعر ہیں لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ یعنی جنت میں ان کو بڑے بڑے درجے ملیں گے۔ جیسا کہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے بڑے درجے ہیں اور جو کچھ وہ عمل کر رہے ہیں۔ اللہ اس سے واقف ہے۔ اللہ پاک ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے گا۔ اہل جنت میں سے بعض کے درجے بعض سے بالاتر ہیں اوپر والے اور سب نیچے کے درجے والوں کو دیکھیں گے اور فخر نہیں کریں گے نیچے والے اوپر والوں کو دیکھ کر حسد نہیں کریں گے۔ مسلم اور بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیین والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ تم اُفقِ آسمان پر ستاروں کو دیکھتے ہو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ انبیاء کے منازل ہیں۔ کسی اور کو کیا نہ ملیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ خدا کی قسم وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی وہ بھی اس کے مستحق ہیں حضرت نے فرمایا کہ اہلِ جنت اوپر کی جنت والوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے اُفقِ آسمان پر ستارے ہیں۔ اور ابو بکر اور عمر انھیں میں سے ہیں انھیں بھی یہ عزت ملے گی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی (اور) وہ اس مصلحت کے کام

فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى

میں بعد اسکے کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (بطور مشورہ) اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں اور تم لوگ اس وقت کو یاد۔۔۔

الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ

ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آجاوے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے

الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً) ثابت کر دے گو یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں

بدر کی معرکہ آرائی، مؤمنین پر نازک حالات کا اثر اور رحمتِ الٰہی کی دستگیری

مفسرین نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ كَمَآ اَخْرَجَكَ میں "کما" کے آنے کا کیا سبب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آیت زیرِ ذکر میں تشبیہ دی گئی ہے۔ مؤمنین کے باہمی صلح کے ساتھ ان کے اتقاء رب اور اطاعتِ رسول کے بارے میں۔ چنانچہ بات کا ڈھنگ یوں ہوتا ہے کہ جیسا تم نے غنیمتوں کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور لڑ پڑے تھے اور اللہ نے تمہارا فیصلہ چکا دیا تھا اور تم سب سے چھین کر تقسیم کا حق رسول کو دیدیا تھا اور رسول نے عدل اور مساوات کے ساتھ تقسیم کر دی تھی اور یہ بات تمہاری مصلحتِ کاملہ کی خاطر تھی۔ اسی طرح اس موقع پر جب دشمنوں سے لڑنے کے لئے تم کو مدینے سے نکلنا پڑا تو اس بڑے لشکر سے لڑنا تمھیں ناپسند ہوا۔ یہ بڑا لشکر وہ تھا جو اپنے ہم مذہب کافروں کی مدد اور شام کو گئے ہوئے قافلہ مالِ تجارت کی حفاظت کے لئے مکے سے نکل آئے تھے اور اس جہاد کو ناپسند کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ نے اسی جنگ سے تمھیں دوچار کیا اور پہلے سے بغیر کسی قرار دادِ جنگ کے دشمن سے تمھیں بھڑا دیا اور نتیجہ میں تمھیں نصرت و ہدایت بخشی۔ جیسا کہ فرمایا قتال تم پر فرض کیا جاتا ہے اور یہ تمھیں ناپسند ہے۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی بات کو ناگوار سمجھو اور دراصل تمہاری بھلائی اسی میں ہو۔ اور تم کسی بات کو پسند کرو اور درحقیقت نتیجہ میں وہ تمہارے لئے مُضر ثابت ہو۔ تمہاری فلاح کا علم تمہارے خدا کو ہے تم کو نہیں۔ بعض نے اس تشبیہ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ جس طرح تمہارے خدا نے حق طور پر تم کو مدینہ سے باہر نکلنے میں کامیاب کیا ہے۔ حالانکہ بعض مؤمنین اس خروج سے ناراض تھے لیکن انھیں آنا پڑا۔ اسی طرح وہ جنگ سے باز رہنا چاہتے ہیں اور تم سے اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔ حالانکہ رسول کی رائے کی حقانیت اُن پر ظاہر ہو چکی تھی مجاہد کہتے ہیں کہ یہ معنی ہیں کہ جس طرح مدینے سے مجبوراً تم لوگ نکلے اسی طرح امرِ حق میں رسول سے جھگڑتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت بدر کی لڑائی میں

نکلنے کے بارے میں نازل ہوئی یُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ مَا تَبَيَّنَ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مومنین تم سے لڑنے کی نیت سے انفال کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں جیسا کہ بدر کے روز بھی انھوں نے تم سے مجادلہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ تو ہمیں قافلے سے نمٹنے کے لئے لے کر نکلے تھے۔ ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گی اور نہ ہم جنگ کے لئے تیار ہو کر گھر سے نکلے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ابوسفیان کے قافلے کی راہ روکنے کے لئے نکلے تھے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ قافلہ ملک شام سے قریش کے لئے بہت سامان لے کر روانہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آمادہ کیا اور تین سو دس سے کچھ زیادہ آدمی لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ اور چشمۂ بدر کی راہ پر ساحل کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حملہ کرنے کی خبر ہو چکی تھی جو اس قافلہ کا سردار تھا۔ اس نے ضمضم بن عمرو کو مکہ بھیج کر اہل مکہ کو مدینے والوں کے ارادے سے آگاہ کیا۔ مکے والے تقریباً ایک ہزار آدمی لے کر نکلے۔ ابوسفیان قافلے کو سیف البحر کی طرف سے لے کر نکل گیا اور صاف بچ گیا۔ اب مکہ کا یہ ایک ہزاری لشکر بڑھتا رہا حتی کہ چشمۂ بدر کے پاس آکر پڑاؤ ڈالا۔ اب مسلمان اور کافر بغیر اس کے کہ پہلے سے کوئی قرار دادِ جنگ ہو آپس میں گتھ گئے کیونکہ اللہ پاک مسلمانوں کا بول بالا کرنا چاہتا تھا اور حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ خدا کو منظور تھی۔ جیسا کہ یہ بیان عنقریب آنے والا ہے۔ غرض یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ مکہ سے ایک بڑا لشکر ان سے لڑنے کے لئے نکلا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی بھیجی کہ دو میں سے ایک چیز تمھیں ملے گی۔ یا تو قافلے کو لوٹ لو یا اس لشکر سے لڑ بیٹھو۔ دونوں نہیں ملیں گے کسی ایک کو اختیار کر لو اور اس میں کامیاب ہو جاؤ۔ مسلمانوں میں سے اکثر کی یہ رائے تھی کہ قافلے کو لوٹ لو اور چل دو بغیر جنگ کے بہت سامان مل جائے گا۔ جس کی حکایت اللہ پاک نے یوں فرمائی ہے کہ "تم چاہتے ہو کہ دونوں میں سے وہ صورت پسند کریں جو شوکت والی نہ ہو۔ یعنی قافلے سے نمٹ لیں اور اللہ تعالیٰ کا تو ارادہ یہ تھا کہ حق ظاہر ہو کر رہے اور مکے کے کافروں کا قلع قمع ہو جائے۔

ابوایوب انصاری رض کہتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے اور حضرت نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابوسفیان قافلہ لے کر آ رہا ہے۔ تم لوگ کیا

ف جیسا کہ معلوم ہے کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت تیرہ سال مسلسل مشرکین مکہ کے جور و ظلم کا خود اپنے وطن میں اس طرح شکار رہی کہ نہ ان کا کوئی مددگار تھا اور نہ دوائی وارث۔ ہجرت کے بعد مکہ معظمہ کے احترام کے پیش نظر مشرکین مکہ سے انتقام لینے کی کوئی صورت نہ تھی۔ مسلسل انتظار کے بعد ان ارشادات کے ساتھ اجازت دی گئی۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الخ اس اجازت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی قافلے شام و یمن میں آتے جاتے شکست دے کر غریب مسلمانوں کی امداد کی جاتی اور مشرکین کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچایا جاتا تھا جیسا کہ اس دور میں بھی دشمن کے لئے اس طرح کی صورت حال پیدا کرنا معیوب نہیں بلکہ جنگ میں کامیابی کی بہترین کوشش ہے۔ جب ۲ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک بڑی تجارتی مہم شام کو روانہ ہوئی ہے اس قافلہ میں سارے قریش کی ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا۔ شام سے جب ابوسفیان واپس ہوا تو آپ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرمایا کہ ابوسفیان کے اس قافلہ سے تعرض کیا جائے یا نہیں؟ آپ کے اس مشورہ پر دو فریق ہو گئے۔ ایک تو وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ کوئی بڑی مہم تو درپیش ہے نہیں جس کے لئے اہتمام ہو خواہ مخواہ جانے کی ضرورت کیا۔ اور دوسرا فریق انصار کا تھا جن کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ اگر مدینہ میں کوئی شخص مسلمانوں پر حملہ آور ہو گا تو وہ اس کا مقابلہ کریں گے لیکن مدینہ سے باہر نکل کر اقدامی طور پر کسی پر حملہ آور ہونا یا ایسے اقدام میں مہاجرین کی اعانت انصار کی ذمہ داری سے خارج تھی۔ لیکن بعد میں بعض انصاری حضرات کی پُرجوش اور پرحوصلہ تقریروں سے مجمع کا رنگ بدل گیا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کے ساتھ ابوسفیان کے اس قافلہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ آپ کا اس وقت کسی بڑے اقدام کا ہرگز ارادہ نہیں تھا لیکن ابوسفیان کی اطلاع پر مکہ سے ابوجہل کا لشکر جرار کے ساتھ آنا اور مقابلہ کی پوری تیاری، ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ کی تمہید بن گئی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ کسی خاص تیاری کے ساتھ نہیں آئے تھے اس لئے بعض کی یہ رائے تھی کہ جنگ سے گریز ہو اور حسب منشاء آنے والے قافلہ سے نمٹا جائے لیکن آپ کو یہ رائے پسند نہیں تھی اور بعض حضرات کے مشورہ پر اس رائے پر عمل بھی نہیں کیا گیا۔ بہرحال تقدیر کے فیصلہ کے مطابق کفر و ایمان کا معرکہ ہوا باطل کو شکست ہوئی اور حق غالب ہوا ستر کافر مارے گئے ذلت انگیز ناکامی کے ساتھ بدر کے میدان سے اس طرح فرار ہوئے کہ مکہ میں جا کر پناہ لی۔ بعض مورخین کا یہ خیال کہ تجارتی قافلہ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے تھے غلط ہے اور یہ بے خبر ضروری طور پر تشریح ہونے کا ایک بڑا نتیجہ ہے۔ محمد انور شاہ کشمیری +

کہتے ہو؟ کیا اس قافلہ کی راہ روکنے کے لئے ہم نکل پڑیں ممکن ہے کہ تم لوگوں کو بہت کچھ مال و دولت مل جائے۔ ہم نے عرض کیا ضرور چلنا چاہئے چنانچہ ہم سب نکلے اور ایک یا دو روز چلتے رہے۔ اب آپ نے فرمایا کہ اچھا ان کافروں سے جنگ کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے انھیں اس بات کی خبر ہو گئی ہے کہ تم قافلے کے خیال سے نکل چکے ہو۔ مسلمانوں نے کہا کہ واللہ ہم میں دشمن کے اتنے بڑے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ ہم جو نکلے ہیں تو صرف قافلے کو لوٹنے کے خیال سے چل پڑے ہیں۔ آپ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ پھر ہم لوگوں نے یہی جواب دیا۔ اب مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس موقع پر ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ موسیٰ ؑ کی اُمت نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور دشمن سے لڑو ہم یہیں بیٹھے تمہاری واپسی کے منتظر رہتے ہیں۔ ہم گروہ انصار نے تمنا کی اور کہا۔ اگر ہم بھی وہی کہتے جو مقداد نے کہا تو یہ بات قافلہ کا مال عظیم مل جانے سے بھی ہمیں زیادہ پسند ہوتی۔ چنانچہ یہ آیت اُتری کہ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ۔ ابو وقاص لیثی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف سب کو لے کر نکلے اور مقام روحاء میں پہنچ کر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ تو ابو بکر رضؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں علم ہو چکا ہے کہ یہ کفار یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اب کی مرتبہ عمر رضؓ نے بھی ابو بکر رضؓ کی طرح جواب دیا۔ آپ نے پھر اور ایک بار یہ سوال کیا تو سعد ابن معاذ رضؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی مراد ہم سے ہے خدا کی قسم میں نہ کبھی برک الغماد گیا ہوں نہ مجھے اس کی راہ کا علم ہے لیکن اگر آپ یمن سے حبش کے ملک برک الغماد تک بھی جائیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور اُمتِ موسیٰ کی طرح نہ کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہیں سے تمہارا ساتھ دیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ نکلنے کے وقت کسی اور غرض سے نکلے ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کوئی دوسری صورت پیدا کر دی ہو تو آپ جو صورت چاہیں اختیار کریں جو آپ کا ساتھ دینا چاہتا ہے دے اور جو آپ سے ٹوٹنا چاہتا ہے ٹوٹ جائے۔ جو چاہے آپ کا مخالف بن جائے اور جو چاہے آپ سے صلح کرے رہے۔ ہمارا مال جو کچھ ہے آپ سب لے سکتے ہیں سعد رضؓ کے اسی قول کی بنا پر وہ آیت اُتری۔

ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے لئے مشورہ کیا اور پھر قریش کے لشکر سے جنگ کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ جنگ ناپسند تھی۔ اسی لئے آیت اُتری تھی کہ إِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ یعنی بعض مومنین کی یہ مرضی نہیں ہے۔ اور حق بات ظاہر ہو جانے کے بعد بھی یہ تم سے بحث کرتے ہیں۔ وہ ایسا سمجھ رہے ہیں کہ جنگ کریں گے تو گویا موت کی طرف کھنچے جا رہے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ فِي الْحَقِّ سے مراد فی القتال ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ لَكَارِهُونَ سے مشرکین کے ساتھ ہی جنگ کی ناگواری مراد ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ کا مطلب ہے کہ یہ ظاہر ہو جانے کے بعد کہ تم حکمِ خدا کے سوا کسی بات کا اقدام نہیں کرتے۔ پھر بھی رسول کی رائے کے خلاف کرتے ہیں۔ ابن زید يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ یعنی یہ مشرکین حق بات کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں گویا کہ وہ موت کی طرف کھنچے جا رہے ہیں جب کہ انھیں اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو۔ اور یہ کہ ایسی مذموم صفت سے مومنین متصف نہیں ہو سکتے اور یہ صفت اہلِ کفر ہی کی ہو سکتی ہے۔ ابن جریر کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابن زید کا یہ قول کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ الفاظ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ سے پہلے سیاقِ عبارت اہلِ ایمان سے متعلق ہے اور جو الفاظ اس کے بعد ہیں ظاہر ہے کہ وہ اسی کی خبر ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ ابن عباس ہی کا قول درست ہے کہ اس سے مراد مومنین ہی ہیں۔ ابن جریر نے اسی قول ابن عباس کی تائید کی ہے۔ یہی حق ہے اور سیاقِ کلام اسی کی تائید کرتا ہے۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کے ساتھ جنگ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ سے کہا گیا کہ اب مال بھرے قافلے سے بھی نمٹ لیں۔ اب کوئی رکاوٹ بھی باقی نہیں رہی۔ تو عباس رضؓ جو قیدی کی حیثیت سے اسیرانِ جنگ میں تھے بول اٹھے کہ ہرگز یہ مناسب نہیں۔ کیونکہ یا رسول اللہ! اللہ پاک نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے دو چیزوں میں سے ایک کا۔ چنانچہ ایک چیز آپ کو حاصل ہو چکی اب دوسری چیز بھی حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس کی اسناد جید ہے اس قول کے معنی تَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ۔ یہ ہیں کہ تم یہ چاہتے تھے کہ وہ چیز حاصل کریں جس میں نہ کوئی مدافعت ہے نہ قتال ہے۔ یعنی ابو سفیان کے قافلہ کو لوٹنا

حالانکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا تھا کہ تم کو ایک ایسی جماعت سے بھڑا دے جو جاہ و شوکت والی ہو اور اُس سے جنگ واقع ہو تا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان پر کامیابی بخشے اور خدا کے دین کا غلبہ ہو کلمۂ اسلام بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا عاقبتِ اُمور سے اور کوئی واقف نہیں۔ حُسنِ تدبیر کا مُدبّر وہی ہے۔ اگرچہ لوگ اس کے خلاف ہی کیوں نہ چاہتے ہوں۔ جیساکہ فرمایا۔ قتال تم پر فرض ہے خواہ وہ تمھیں ناگوار ہی ہو۔ بہت ممکن ہے کہ تمھیں ایک بات ناپسند ہو اور خیر اسی کے اندر ہو اور ایک بات اچھی لگے اور شر اسی کے اندر ہو۔ حسب ذیل حدیث بھی سیاقِ حدیث بدر میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام سے ابو سفیان کے چلنے کی خبر پائی تو مسلمانوں کو بلایا اور کہا کہ قریش کے اِس قافلے کے ساتھ مال و متاع بہت ہے اس پر دھاوا بولو۔ کیا عجب کہ کفار کا مال غنیمت اللہ تمھیں دیدے۔ بعض کے پاس اسلحہ تھے اور بعض کے پاس نہیں اور نہ انھیں یہ گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کریں گے اور ابو سفیان جب حجاز سے قریب ہوا تو اس نے اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور ہر آنے جانے والے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں پوچھتا رہتا تھا۔ چنانچہ اُس کو خبر مل گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے قافلے کے در پے ہیں تو اس نے احتیاطی تدابیر اختیار کر لیں اور ضمضم بن عمرو غفاری کو فوراً مکے بھیجا کہ قریش سے مل کر قافلے کی حفاظت کا انتظام کرائے کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حملہ آور ہو رہے ہیں ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلے اور وادئ ذفران تک پہنچے اور وہاں قیام کیا کہ اتنے میں آپ کو خبر ملی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت و مدافعت کی خاطر مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں تو آپ نے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی جو مناسب مشورہ سمجھا اظاہر کیا۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی یہی کہا۔ پھر مقداد کہنے لگے یا رسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں خدا کا جو منشا ہے اس کو پورا کیجئے۔ خدا کی قسم ہم حضرت موسیٰؑ کی اُمت کی طرح نہیں کہیں گے۔ؔ اگر آپ ہمیں حبش تک بھی لیجانا چاہیں تو جب تک آپ وہاں نہ پہنچیں ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ تو آپ نے سعدؓ کو دعائے خیر دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کی مُراد انصار سے تھی۔ ایک تو اس وجہ سے بھی کہ انصار تعداد میں زیادہ تھے۔ دوسرے اس لئے بھی کہ عقبہ میں جب انصار نے بیعت کی تھی تو اس بات پر کی تھی کہ جب آپ ..... مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ جائیں گے تو ہر حال میں ہم آپ کا ساتھ دیں گے یعنی دشمن آپ پر چڑھائی کر کے آئے تو ہم اس کے مقابلہ پر ہو جائیں گے۔ اس میں چونکہ یہ وعدہ نہ تھا کہ جارحانہ اقدام پر بھی ساتھ دیں گے۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بھی ارادہ اور رائے دریافت کر لینا چاہتے تھے تاکہ اُن سے بھی وعدہ لے کر ان کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لیں۔ سعد نے کہا کہ شاید آپ ہم سے جواب طلب فرما رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میری مُراد تمھیں لوگوں سے ہے۔ تو سعد نے کہا یا رسول اللہ! ہمارا آپ پر ایمان ہے ہم آپ کے حکم ماننے کا وعدہ آپ سے کر چکے ہیں ہم آپ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑیں گے خدا کی قسم اگر سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر بھی آپ اُس میں گھوڑا ڈال دیں تو ہم بھی اُس میں کود پڑیں گے۔ ہم میں سے کوئی بھی ذرا تامّل نہ کرے گا۔ ہم لڑائیوں میں بہادری کا مظاہرہ کرنے والے، مصیبتوں کو جھیلنے والے ہیں آپ ہم سے انشاء اللہ خوش رہیں گے۔ اِس جواب سے آپ بہت خوش ہوئے، اسی وقت کوچ کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ رب نے دو میں سے ایک کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور کیا عجب وہ ایک یہی جنگ ہو۔ میں گویا مشرکین کا مقتل یہیں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ⑨ وَمَا

اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمھاری سُن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آویں گے اور

جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع ۱۵

اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس (حکمت) کیلئے کی کہ (غلبہ کی) بشارت ہو اور تاکہ تمھارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جائے اور (واقع میں تو) نصرت (اور غلبہ) صرف اللہ ہی کی

نصرتِ الٰہی حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ بدر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کا شمار کیا تو تین سو سے

ؔعہ جیساکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہدیا تھا کہ "تم اور تمھارا رب جا کر لڑو ہم یہیں انتظار میں بیٹھے رہیں گے" ۱۲ انظر شاہ کشمیری عہ لن تنا کے پارے میں فرشتوں کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک بیان کی گئی اور یہاں صرف ایک ہزار۔ لیکن اس میں کوئی تضاد نہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے پہلے صرف ایک امداد کا ذکر ہے اور چوتھے پارے میں آخر میں جو کمک بھیجی گئی تھی اس کا بیان ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

کچھ اوپر تھے۔ اور مشرکین کوئی ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ چنانچہ آپ قبلہ رُو ہو کر خدا سے دُعا مانگنے لگے۔ آپ صرف ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہبند بندھا ہوا تھا اور فرما رہے تھے کہ یارب تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اِس موقع پر پورا کر۔ اگر مسلمانوں کی اِس مٹھی بھر جماعت کو تو نے ہلاک کر دیا تو زمین پر عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا اور توحید کا نام و نشان مٹ جائے گا آپ خدا سے فریاد کر رہے تھے، دُعائیں مانگ رہے تھے حتیٰ کہ چادر آپ کے شانوں پر سے گر پڑی۔ حضرت ابو بکر نے آکر اس کو آپ کے کاندھوں پر ڈال دیا اور آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یارسول اللہ! اب بس کیجئے وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ چنانچہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب تم نے خدا سے دُعا مانگی۔ تو اس نے تمھاری درخواست قبول کرلی۔ اب میں ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرتا ہوں۔ چنانچہ جس روز جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکستِ فاش دیدی۔ مشرکوں میں سے ستر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ اور علی رضؓ سے مشورہ کیا۔ تو حضرت ابوبکر نے کہا یارسول اللہ! یہ آپ کے بھائی بند اور قبیلہ و خاندان والے ہیں۔ میں تو یہ رائے رکھتا ہوں کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تاکہ فدیہ کی رقم سے ہمیں مالی استحکام حاصل ہو، کافروں پر غلبہ کی اور قوت پیدا ہو اور کیا عجب ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت بخشے۔ پھر یہ خود ہماری قوت میں اضافہ کریں گے۔ اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ عمر! تم کیا کہتے ہو؟ تو عمر رضؓ نے کہا۔ میری رائے ابو بکر کی رائے کے خلاف ہے۔ آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں اپنے رشتہ دار کافر قیدی کو قتل کر دوں اور علی کو حکم دیجئے کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی گردن اُڑا دیں۔ اور حمزہ اپنے فلاں بھائی کی گردن ماریں تاکہ ہم خدا تعالیٰ کے حضور میں یہ ثابت کر سکیں کہ مشرکین کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی رعایت نہیں۔ یہ مشرکین قیدی تو کافروں کے سردار اور قائد ہیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضؓ کی رائے کو ترجیح دی اور ان قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حضرت عمر رضؓ کہتے ہیں کہ دوسرا دن نکلا تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گیا۔ دیکھتا ہوں کہ آپ اور ابوبکر دونوں رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اور ابوبکر کیوں رو رہے ہیں۔ رونا آئے تو میں بھی روؤں اور نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنالوں تاکہ آپ کا شریک ہو جاؤں ؎۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی وجہ سے رونا ہے۔ میں اس خطا کی وجہ سے اس عذاب کو دیکھ رہا ہوں جو اتنا قریب ہے جتنا یہ میرے سامنے کا درخت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تا فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا۔ چنانچہ غنیمت حلال کر دی گئی۔ پھر جب آئندہ سال یوم اُحد آیا تو یوم بدر کی غلطی کا اللہ نے یوں بدلہ لیا کہ فدیہ کے ستر چھوٹے ہوئے کافروں کے بدلے اُحد میں مسلمانوں کے ستر صحابی شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ پڑے، خود سر مبارک میں دھنس گیا، خون چہرۂ مقدس پر بہنے لگا۔ چنانچہ یہ آیت اُتری کہ "مصیبت پہنچی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی۔ کہدو کہ یہ تمھارے اپنے ہاتھوں نازل ہوئی ہے یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے سبب۔"

ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا کرنا ہے کیونکہ بدر کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے بہت اصرار کے ساتھ دُعا مانگ رہے تھے کہ حضرت عمر آکر کہنے لگے یارسول اللہ! اب دعا کو مختصر کر دیجئے اللہ پاک ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا جو آپ سے کیا گیا ہے۔ ابنِ عباس رضؓ سے روایت ہے کہ یوم بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اے خدا! میں عہد کے پورا کرنے کی طرف تجھے توجہ دلاتا ہوں۔ ورنہ اے خدا! تجھے پوجنے والا کوئی نہ رہے گا۔ تو ابو بکر رضؓ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا حضرت بس بس۔ تو آپ اُٹھے اور فرما رہے تھے کہ قریب ترعرصہ میں کافروں کو شکست ہونے والی ہے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے ہیں بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ یعنی فرشتوں کی صفیں ایک کے پیچھے ایک لگی ہوئی تھیں۔ اور مُردِفین سے مراد مدد بھی ہو سکتی ہے یعنی فرشتے مدد پر تھے۔ حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ جبریل ؑ ہزار فرشتے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدھی طرف تھے جدھر کہ ابو بکر تھے اور میکائیل ؑ ایک ہزار فرشتے لے کر بائیں طرف تھے جدھر میں تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہزار کی مدد پر دوسرے ہزار بھی تھے۔ اسی لئے بعض نے "مردَفین" بہ فتحِ دال قرأت کی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ پانچ سو ملائکہ جبریل ؑ کے ساتھ تھے اور پانچ سو میکائیل کے ساتھ۔ ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے لگا ہوا تھا کہ

؎ نبی علیہ السلام کی اتباع اس درجہ کی ہونا چاہئے ۱۲

اوپر سے ایک کوڑا مشرک کے سر پر پڑنے کی آواز سُنی اور ایک سوار کی بھی آہٹ پائی۔ اب کیا دیکھتے ہیں کہ کافر گر کر زمین پر ڈھیر ہوگیا ہے۔ کوڑے کی ضرب سے سر پھٹ گیا ہے حالانکہ کسی انسان نے اسے مارا نہ تھا۔ اب پیچھے والے انصاری نے یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ آسمانی مدد تھی۔ یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا چنانچہ ستر تو قتل ہوئے تھے اور ستر قیدی ہوئے۔ رافع اہلِ بدر میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ اہلِ بدر کو کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ مسلمانوں میں سب سے افضل تو حضرت جبرئیلؑ کہنے لگے کہ بدر میں مدد کرنے والے ملائکہ بھی دوسرے ملائکہ میں ایسے ہی افضل سمجھے جاتے ہیں۔ صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا جب کہ عمرؓ نے قتلِ حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔ یہ کہ حاطب بدر میں شریک ہوا تھا اور تمھیں کیا خبر کہ شاید اللہ پاک نے اہلِ بدر کو بخش دیا ہو کیونکہ فرمایا تھا کہ اب تم جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔

قولہ تعالیٰ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰی۔ یعنی فرشتوں کا یہ بھیجنا تمھیں صرف خوش کرنے کے لئے تھا اور یہ کہ تمھارے دل کو اطمینان کی صورت ہو ورنہ خدا تمھاری مدد کرنے پر ہر طرح قادر ہے اس کو تمھاری مدد کے لئے فرشتوں کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مدد تو درحقیقت خدا کی مدد تھی فرشتے تو مدد کی ظاہری صورت تھی۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب کبھی تم کافروں کو پاؤ تو اُن کی گردن اُڑا دو غالب آجاؤ تو انھیں زنجیروں میں جکڑ لو۔ پھر یا تو معاف کردو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ حتیٰ کہ جنگ کا سدِ باب ہو جائے۔ یہ اس لئے کہا گیا کہ اگر اللہ چاہے تو خود ان کی مدد کر سکتا ہے۔ لیکن دراصل وہ بعض کو بعض کے ذریعہ آزماتا ہے اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوگئے ہیں اللہ ان کے اعمال کو کبھی تلف نہیں کرے گا۔ انھیں ہدایت کرے گا اور انھیں جنت میں داخل کرے گا۔ اور ارشادِ باری ہے کہ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ ہم زمانہ کو لوگوں میں گھماتے رہتے ہیں اور زمانہ کو بدل بدل کر لاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ جانچ لے اور شہیدوں کو الگ کرے۔ ظالموں سے اللہ خوش نہیں رہ سکتا۔ اس میں ایمانداروں کا امتیاز ہو جاتا ہے اور کافروں کو خدا مٹا دیتا ہے۔ جہاد کا شرعی فلسفہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ مشرکوں کو موحدوں کے ہاتھوں سزا دیتا ہے۔ اس سے پہلے وہ عام آسمانی عذابوں سے ہلاک کر دیئے جاتے تھے۔ جیسے قوم نوح پر طوفان آیا۔ عادِ اولیٰ آندھی میں تباہ ہوئے، اہلِ ثمود چیخ سے غارت کر دیئے گئے قومِ لوط کا طبقہ اُلٹ گیا اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ شعیب کی قوم کے سر پر پہاڑ معلق کر دیا گیا۔ اللہ نے موسیٰؑ کو بھیجا اور ان کے دشمن فرعون کو ہلاک کر دیا گیا اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر دیا گیا۔ موسیٰؑ کو توریت دے کر کفار کو قتل کر دینا فرض قرار دیا گیا اور یہی حکم دوسری شریعتوں کے اندر بھی قائم رہا۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور ان سے پہلے کی اُمتیں بھی نافرمانی کے سبب ہلاک کر دی گئی تھیں۔ اس میں لوگوں کے لئے بصیرت ہے۔ مؤمنین کا کافروں کو بھی بجائے قید کے قتل کر دینا ان کافروں کی زبردست اہانت کی چیز تھی۔ اور اس سے مؤمنین کے دل بھی ٹھنڈے ہوتے۔ جیسا کہ اس اُمت کے مؤمنین کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کافروں کو قتل ہی کر دو۔ اللہ پاک تمھارے ہاتھوں انھیں رسوا کرنا اور عذاب دینا چاہتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمھارا دل ٹھنڈا ہو کیونکہ یہ گردن زدنی سردارانِ قریش مسلمانوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور انھیں ممکنہ آزار پہنچاتے تھے۔ اگر یہ قتل ہو کر سربازار رسوا ہوتے تو مسلمانوں کے دلوں کو اس انتقام سے کتنی ٹھنڈک پہنچتی۔ چنانچہ ابوجہل جب عین جنگ میں مارا گیا تو اس کی لاش کی بڑی بے عزتی ہوئی کہ اگر بستر پر اپنی موت مرتا تو اس کی کبھی یہ رُسوائی نہ ہوتی۔ یا جیسا کہ ابو لہب مرا تو ایسا سڑ گیا تھا کہ اس کے قریب ترین اقربا بھی اس کی لاش کے قریب نہ آتے تھے۔ نہلانے کے بجائے دُور سے لاش پر پانی پھینک دیا گیا اور دفن کے طور پر اس کو ایک گڑھے میں گرا دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ عزت کافروں کے لئے نہیں بلکہ رسول اور مؤمنین کے لئے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور فرمایا کہ ہم اپنے رسولوں اور مؤمنین کی مدد دنیا میں بھی کرتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ تم کو یہ حکم دینا کہ کفار کو قتل کرو اس میں بھی اس کی خاص حکمت ہے ورنہ کیا وہ خود اپنی قدرت سے ہلاک نہیں کر سکتا۔

إِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ

اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور وہ اس کے قبل تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو طہارت

وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ① إِذْ يُوحِي

تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔ اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب (ان)

رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ

فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (و مددگار) ہوں سو تم (مجھ کو مددگار سمجھ کر) تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے

الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ② ذَٰلِكَ

قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم (کفار کی) گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو یہ

بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ

اس بات کی سزا ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو)

شَدِيدُ الْعِقَابِ ③ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ④

سخت سزا دیتے ہیں سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔

نصرت ایک اور راہ سے

اللہ پاک ان احسانات کو یاد دلاتا ہے کہ وقت جنگ تم پر غنودگی طاری کر کے ہم نے تم پر احسان کیا ہے کہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا جو تمہیں احساس تھا اور اس احساس کے تحت تم پر ایک خوف سا جو طاری تھا اس سے تمہیں مامون کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ نے یوم اُحد میں بھی کیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا الخ یعنی رنج و غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو غنودگی کی صورت میں تمہیں ڈھانکے ہوئے تھا۔ ابو طلحہ کہتے ہیں کہ جنگ اُحد کے روز مجھے بھی غنودگی آگئی تھی کہ تلوار میرے ہاتھ سے گری جاتی تھی اور میں تھام جاتا تھا۔ اور میں لوگوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ ڈھال سر پر لگائے ہوئے نیند میں لوگ جھول رہے تھے۔ حضرت علی رض کہتے ہیں کہ بدر کے روز مقداد رض کے سوا کسی کے پاس سواری نہیں تھی۔ ہم سب نیند کے عالم میں تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے صبح تک نمازیں پڑھتے رہے اور خدا کے آگے روتے رہے۔ ابن مسعود رض کہتے ہیں کہ بروز جنگ یہ اونگھ خدا کی طرف سے گویا ایک امن کی شکل میں تھی اور نمازمیں بھی اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اونگھ کا تعلق سر سے ہے اور نیند کا تعلق دل سے۔ میں کہتا ہوں کہ غنودگی یوم اُحد میں مسلط تھی۔ اور یہ خبر تو بہت عام اور مشہور ہے اور یہاں آیت شریفہ سیاق قصہ بدر میں ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بدر میں بھی غنودگی طاری تھی۔ اور یہ شدت جنگ میں مومنین پر طاری ہو جایا کرتی تھی تاکہ ان کے قلوب اللہ کی مدد سے مطمئن اور مامون رہیں اور یہ مومنین پر اللہ کا فضل اور رحمت ہے

ف بدر کا معرکہ جیسا کہ معلوم ہے عجیب و غریب حالات میں پیش آیا مسلمان بالکل بے سر و سامان اور کفار پوری طرح مسلح۔ ادھر میدان جنگ کے آرام دہ علاقہ کفار کے قبضہ میں اور مسلمانوں کے پاس وہ علاقہ جس میں پانی کی کمی اور ریت کے ایسے تودے کہ پاؤں زمین میں دھنسے جائیں۔ ظاہری حالات قطعاً مسلمانوں کے خلاف شیطانی وسواس دل و دماغ پر چھا رہے ہیں۔ خدایا اس موقع پر کیونکر کامیابی ہوگی کامیابی تو درکنار زندہ و سلامت بھی بچ سکیں گے یا نہیں؟ کچھ اس قسم کے خیالات تھے جو مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلط تھے۔ اچانک بارش ہوئی اور میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا مسلمانوں کا علاقہ بہترین جنگی میدان بن گیا اور کفار کے مقبوضہ علاقہ میں چلنا پھرنا بھی دو بھر ہو گیا جب یہ ظاہری پریشانی دور ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دل سے خوف و ہراس بھی جاتا رہا یہاں اسی کا ذکر ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری [illegible] کسی مریض کے لئے تھوڑی دیر کے لئے سو جانا سینکڑوں علاج سے زیادہ کارآمد ہے۔ تھک جانے کے بعد تھوڑا سا آرام کیسا چست و چاق کر دیتا ہے۔ فکر و پریشانی میں آنکھ لگ جائے تو سارا غم ہی کافور ہو جائے۔ یہ روزانہ کے ہمارے مشاہدات ہیں اور ایسے واقعات ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

جیساکہ فرمایا کہ مشکلات کے ساتھ آسانیاں بھی ہیں۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ بروزِ بدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بنائے ہوئے کاشانہ میں صدیق اکبرؓ کے ساتھ تھے اور دونوں مل کر خدا سے دعا کر رہے تھے۔ اس حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ سی آگئی پھر آپ تبسم کرتے ہوئے بیدار ہوگئے۔ اور فرمانے لگے۔ اے ابوبکر! خوش ہو جاؤ وہ ہیں جبرئیلؑ گرد آلود کیفیت میں۔ پھر آپ کاشانے سے باہر آئے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ "دشمنوں کو ہزیمت ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔" پھر ارشاد ہوتا ہے وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے تم پر پانی برسایا۔ ایک تو نیند کی سی کیفیت کو تمہارے لئے امن کی وجہ قرار دی دوسرا احسان تم پر خدا کا یہ ہے کہ پانی برس پڑا جو مسلمانوں کے لئے مفید اور کافروں کے لئے مُضر ثابت ہوا۔

ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ بدر میں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا تھا وہاں مشرکوں نے میدانِ بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہوگئے تھے مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ تم بڑے اللہ والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور تم میں رسولؐ بھی موجود ہیں اور پانی پر قبضہ مشرکوں کا ہے اور پانی سے تم اتنے محروم ہوگئے ہو کہ نماز بھی پڑھتے ہو تو ...... تیمم کرکے پڑھ لیتے ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خوب پانی برسایا۔ مسلمانوں نے پیا بھی اور پاکی وصفائی بھی کی۔ اللہ نے شیطان کے وسوسہ کو بھی نیچا دکھایا۔ پانی کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف کی ریت جم گئی۔ لوگوں کو اور جانوروں کو چلنے میں آسانی ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی۔ جبرئیلؑ ایک طرف پانچ سو فرشتے لئے ہوئے تھے اور میکائیلؑ دوسری طرف پانچ سو فرشتے لئے ہوئے موجود تھے۔ ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ مشرکین قریش جب ابوسفیان کے قافلے کی مدد کے لئے نکلے اور مسلمانوں سے لڑ بیٹھے تو چشمۂ بدر پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان پانی سے محروم ہوگئے، پیاس سے تڑپنے لگے، نماز بھی جنابت اور حدث ہونے کی حالت میں پڑھنے لگے۔[عل] حتیٰ کہ ان کے دلوں میں مختلف خیالات پیدا ہونے لگے۔[عل] اب اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا اور میدانوں میں پانی بہنے لگا۔ مسلمانوں نے برتن بھر لئے، جانوروں کو پلایا، نہائے۔ اللہ نے انھیں پاکی بخشی اب وہ ثابت قدم بھی ہوگئے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ریت تھی، پانی برس گیا تو زمین دب گئی اور سخت ہوگئی۔ مسلمانوں کے قدم زمین پر جمنے لگے۔ مشہور یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کی طرف چلے تو وہاں پانی کے قریب اترے۔ حباب بن منذر رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ مقام جہاں آپ فروکش ہیں سو کیا بحکمِ وحی فروکش ہیں جس سے ہم ذرہ بھر سرتابی نہیں کر سکتے؟ یا یہ کہ جنگی مصلحت کے تحت قیام فرمایا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مصلحت کے تحت قیام کیا ہے۔ حباب نے کہا کہ ایسی صورت میں اور آگے چلئے آخری پانی پر قبضہ کر لیجئے وہیں حوض بنا کر یہاں کا سب پانی جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی کے بغیر رہ جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل کھڑے ہوئے۔ کہتے ہیں کہ حباب رضؓ نے جب یہ مشورہ دیا تو اس وقت آسمان سے ایک فرشتہ اترا اور جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس فرشتے نے کہا "اے محمد! اللہ تعالیٰ نے سلام فرمایا ہے۔ نیز ارشاد ہے کہ حباب بن منذر کی رائے تمہارے لئے صحیح ہے"۔ آپ جبرئیلؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ کیا تم اس کو جانتے ہو؟ جبرئیلؑ نے اس کو دیکھ کر کہا کہ میں تمام ہی فرشتوں کو جانتا تو نہیں ہوں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ فرشتہ ہے کوئی شیطان نہیں۔ ابن زبیر رضؓ کہتے ہیں کہ اللہ نے پانی برسایا، مسلمانوں کے طرف کی زمین پانی سے دب کر سخت ہوگئی۔ اور چلنے میں آسانی ہوگئی۔ لیکن کفار کی طرف کی زمین نشیب میں تھی وہاں دلدل ہوگئی، انھیں چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ اللہ نے غنودگی کا احسان کرنے سے پہلے پانی برسا کر احسان کیا۔ گرد وغبار دب گیا، زمین سخت ہوگئی، مسلمان خوش ہوگئے، ثابت قدمی بڑھ گئی۔ اب اونگھ آنے لگی، مسلمان تازہ دم ہوگئے۔ صبح لڑائی ہونے والی ہے۔ رات کو ہلکی سی بارش ہوگئی۔ ہم نے درخت کے نیچے ہو کر بارش سے پناہ لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے رہے اور لوگوں سے جنگ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ قولہ لِيُطَهِّرَكُم بِهِ یعنی حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک کرنے کے لئے پانی برسایا اور تاکہ شیطان کے اغوا سے بھی تم کو چھڑا دیں اور یہ دل کی پاکی تھی۔ جیساکہ اہل جنت کے حق میں فرمایا ہے کہ انھیں پہننے کے لئے ریشمی لباس ملے گا اور سونے چاندی کا زیور ہوگا۔ اور یہ ظاہری زینت ہے اور اللہ انھیں شرابِ طہور پلائے گا اور حسد اور بغض کے کینہ سے انھیں پاک رکھے گا اور یہ باطنی

[عل] یعنی تیمم کا حکم نہیں ہوا تھا۔ [عل] خدا جانے کیا ہو اور کیا نہ ہو۔ دیکھو کفار کے مقابلہ میں فتح یاب ہوتے ہیں! کہیں شکست ہی قسمت میں نہ ہو۔ انظر شاہ

کی زینت ہے۔ پانی برسانے سے یہ بھی غرض تھی کہ تمہارے دلوں کو اطمینان دے کر صابر اور ثابت قدم بنایا جائے۔ یہ صبر اور اقدام باطنی شجاعت ہے اور یہ ثابت قدمی شجاعت ظاہری ہے۔ قولہ تعالیٰ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنین کو ثابت قدم رکھو۔؎ یہ نعمت خفیہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر ظاہر فرما رہا ہے۔ تاکہ اس کی شکر گذاری کریں۔ وہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اللہ نے ملائکہ کو تاکید فرمائی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور دین نبی اور جماعت مومنین کی مدد کریں تاکہ ان کے دل ٹوٹ نہ جائیں وہ ہمت نہ ہار دیں۔ تم بھی ان کے ساتھ کافروں سے قتال کرو۔ کہا گیا ہے کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بزدلی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمارے قدم نہیں ٹک سکتے۔ ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اب ہر ایک دوسرے سے کہتا دوسرا تیسرے سے۔ اس طرح صحابہ کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت و قوت نہیں ہے۔؎ پھر فرماتا ہے کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ یعنی اے ملائکہ تم مومنین کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو قوی بناؤ۔ تم ان کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کی ایک ایک پوری کو زخمی کرو۔ ان کے ہاتھ پاؤں قطع کر دو۔ مفسرین نے فَوْقَ الْاَعْنَاقِ کے معنی میں اختلاف کیا ہے بعض نے سر پر مارنے کے معنی لئے ہیں اور بعض نے گردن پر۔ چنانچہ اس معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ۔ یعنی کافروں سے جنگ ہو تو گردنوں پر مارو اور انھیں زنجیروں میں جکڑ لو۔ قاسم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدا کے عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے نہیں مبعوث ہوا ہوں۔ یعنی خدا کی طرف کا عذاب جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہوتا رہا بلکہ خود لڑ کر گردنیں مار کر اور قید کر کے انھیں عبرت ناک نتیجہ پر پہنچاؤں گا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ گردنیں مارنا اور کھوپڑی پھوڑنا مراد ہے۔ مغازی اموی میں لکھا ہے کہ جنگ بدر کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولین پر سے گذرے اور آپ فرما رہے تھے یفلق ھاما یعنی سر ٹوٹے پڑے ہیں تو ابو بکر رضی ساتھ ہی بول اٹھے اور مصرعہ لگا کر اس کا ایک شعر ہی بنا دیا یعنی یفلق ھاما من رجال اعزۃ علینا + وھم کانوا اعق و اظلما۔ یعنی سر ٹوٹے پڑے ہیں ان لوگوں کے جو ہم پر غرور کرتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ بڑے ظالم اور نافرمان تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا ایک بیت کے دو ابتدائی لفظ کہہ دیئے اور منتظر تھے کہ ابو بکر اس کو ایک شعر بنا کر پورا کر دیں۔ کیونکہ آپ کے لئے شاعر ہونا مناسب نہیں تھا۔ جیسا کہ خود اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ۔ یعنی ہم نے ان کو شاعر نہیں بنایا اور نہ ان کے لئے شاعر ہونا کوئی امتیاز ہے۔ یوم بدر میں لوگ ان مقتولین کو پہچان جاتے تھے جو ملائکہ کے ہاتھوں مرے ہیں کیونکہ ایسے مقتولین کا زخم گردن پر یا جوڑ بندوں پر ہوتا تھا اور یہ ایسے نشانات ہوتے تھے گویا آگ سے جلے ہوئے ہیں وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ اے مومنو! دشمنوں کو مارو ان کے جوڑ بندوں پر تاکہ ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں۔ بنان جمع ہے بنانۃ کی۔ ہر جوڑ اور ہر حصے کو "بنان" کہتے ہیں۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ مطلب ہے کہ اے فرشتو! ان کافروں کے چہروں اور آنکھوں پر مارو اور ایسے زخم ڈالو گویا آگ کی چنگاریوں سے جلا دیئے گئے ہیں اور کسی کافر کو قید کر لینے کے بعد مارنا جائز نہیں۔ ابن عباس بدر کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے کہہ رکھا تھا کہ قتل کرنے کے بجائے مسلمانوں کو زندہ پکڑو تاکہ انھیں ہمارے دین کو برا کہنے، ہم پر طعن کرنے اور لات و عزیٰ سے روگردانی کا مزا چکھا سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنین کو ثابت قدم رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دوں گا۔ تم ان کی گردنوں اور جوڑ بندوں پر مارو۔ مقتولین بدر میں ابو جہل کا "ستر واں" نمبر تھا۔ پھر عقبہ بن ابی معیط قید کر کے قتل کر دیا گیا اور

؎ اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ ہزارہا، لاکھوں، کروڑوں فرشتوں کی امداد بھی بے سود ہے تاوقتیکہ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت شامل نہ ہو۔ فرشتے بھی تمام مخلوقات کی طرح خدا تعالیٰ ہی کی نصرت کے محتاج ہیں خود ان میں کوئی بھی طاقت نہیں ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری۔ ؎ یا تو واقعہ بھی ایسا ہی ہوگا کہ کفار کے قلوب پر مسلمانوں کی دہشت چھائی ہوئی ہو۔ اور اگر ایسا نہیں تھا تو یاد رکھئے کہ جنگی مہمات میں اس قسم کی تدابیر ناجائز نہیں ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الحرب خدعۃ" یعنی جنگ دشمن پر غالب آنے کے لئے تدابیر اختیار کرنے کا نام ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

لشکر کی تعداد پوری ہوگئی ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی اور شرع وایمان کو چھوڑنے کا پہلو اختیار کیا۔ لفظ شَاقَّ "شق عصا" سے ماخوذ ہے یعنی اس نے لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ارشاد ہے کہ جس نے اللہ اور رسول سے علیحدگی یعنی مخالفت اختیار کی۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ اپنی مخالفت کرنے والے پر غالب ہے، کسی بات میں اس کو بھول چوک نہیں، اس کے غضب کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ یہ کافروں سے خطاب ہو رہا ہے کہ دنیا میں عذاب ونکال کا مزہ چکھو اور آخرت میں بھی عذاب دوزخ کا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۵﴾

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ

اور جو شخص ان سے اس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے

فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾

باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

جنگ سے فرار کفر ہے

جنگ کے وقت میں فرار اختیار کرنے والوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اے ایمان والو جب لڑائی ہو گئی تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ نہ جانا۔ ہاں کوئی مصلحت کے طور پر بھاگے کہ گویا خوف زدہ ہو گیا ہے تاکہ اس کا تعاقب کیا جائے پھر اکیلا پا کر پلٹ کر حملہ کر کے قتل کر دے تو ایسی مصلحت کے تحت بھاگنے میں کوئی حرج نہیں[ف] یا اس غرض سے بھاگے کہ مسلمانوں کے دوسرے دستے سے جا ملے تاکہ جا کر ان کی مدد کرے یا وہ اس کی مدد کریں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ وہ اپنے امام کی پناہ میں جانا چاہتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایک چھوٹے سے لشکر کا سپاہی تھا کہ لوگوں میں بھگدڑ پڑ گئی میں بھی بھاگا۔ اب ہمیں احساس ہوا کہ ہم جنگ سے بھاگے ہیں اور خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ اب کیا کریں۔؟ ہم نے مشورہ کیا کہ مدینے چلیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے اگر ہماری توبہ آپ نے قبول فرمالی تو کیا کہنا ورنہ ہم کہیں بھی نکل جائیں گے اور منہ نہ دکھائیں گے۔ چنانچہ ہم قبل از نماز ظہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے پوچھا۔ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا۔ ہم پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے لوگ ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تم لوگ اپنے مرکز کی طرف آنے والے ہو۔ میں تمہارا اور تمہاری جماعتِ مومنین کا مرکز ہوں۔ ہم نے یہ سن کر آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا[ف]۔ ابوداؤد نے مزید کہا ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ۔ اہل علم نے عکارون کے معنی عطافون بتائے ہیں۔ یعنی دور اندیش اور نکتہ رس۔ ابوعبیدہ سرزمین ایران کے ایک پل پر قتل کر دیئے گئے تو عمر بن خطاب رض نے کہا تھا کہ ہوشیاری برت کر انھیں بھاگ آنے کا موقع تھا۔ میں ان کا امیر اور بندھن تھا میرے پاس کیوں نہ آ گئے۔ حضرت عمر رض نے کہا کہ "اے لوگو! اس آیت سے تم غلط فہمی میں نہ پڑنا۔ یہ آیت یوم بدر کے لئے تھی اور اس وقت میں ہر مسلمان کی جماعت ہوں۔" نافع نے حضرت ابن عمر رض سے کہا کہ ہم لوگ دشمن سے قتال کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہم نہیں جانتے کہ ہمارا مرکز کیا ہے۔ امام یا جنگی مرکز تو کہا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ تبارک فرماتا ہے اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا۔ تو کہا یہ آیت یوم بدر کے بارے میں اتری ہے نہ اس سے پہلے کے لئے

ف۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے پیچھے ہٹیں تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ بزدلی کی وجہ سے فرار اختیار کرنا کفر ہے ۱۲ انظر شاہ۔

ف۔ اس مسرت اور خوشی میں کہ آپ نے ان کو ایک بڑی بشارت سنائی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہاتھوں کو بوسہ اس وقت کا واقعہ ہو جب تک بوسہ کی ممانعت نہ ہوئی ہو۔ اب کسی بزرگ، پیر، قبر وغیرہ کو بوسہ دینا سخت مکروہ ہے۔ (انظر شاہ کشمیری)

نہ بعد کے لئے "مُتَحَیِّزًا" کے معنی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پناہ لینے والا۔ اسی طرح آج بھی کوئی شخص جنگ کے میدان سے ہٹ کر اپنے امیر یا اصحابِ امیر کی طرف پناہ لے سکتا ہے۔ لیکن یہ فرار اگر اس سبب کے سوا کوئی اور اسباب کی بنا پر ہو تو یہ حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو (۱) شرک باللہ (۲) جادو کرنا (۳) کسی کو ناحق قتل کر دینا (۴) سود کھانا۔ (۵) مالِ یتیم کھا جانا (۶) جہاد میں پیٹھ کر بھاگ جانا (۷) پاک دامن اور بے گناہ عورتوں پر الزام لگانا۔ یہ بات اور کئی طرح بھی ثابت ہے کہ یہ آیت بدر سے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس لئے اللہ نے فرمایا کہ وہ بھاگے تو خدا غضب نے گر بھاگے گا۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ بشیر بن معبد کہتے ہیں کہ میں بیعت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو بیعت کے لئے آپ نے یہ شرط کی کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دو، میری رسالت کو مانو، نماز پابندی سے پڑھو، زکوٰۃ دیتے رہو، حج کرو، رمضان میں روزے رکھو اور یہ بھی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس میں سے دو باتیں میرے لئے دشوار ہیں۔ ایک تو جہاد کہ اگر بحالتِ جنگ کوئی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا تو خدا کا غضب اس پر نازل ہو جائے گا۔ اور مجھے خوف ہے کہ موت سے گھبرا کر کہیں مجھ سے یہ گناہ سرزد نہ ہو جائے۔ دوسرے صدقہ سو خدا کی قسم مجھے غنیمت اور اس کے سوا کچھ نہیں ملتا ہے اور دس اونٹنیاں ہیں جن کا دودھ دوہ لیا، پیا پلا لیا، اس پر سواری کر لی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ تھام لیا اس کو ہلایا اور کہا۔ جہاد بھی نہ کرو گے، صدقہ بھی نہ دو گے پھر جنت کا استحقاق کیسے حاصل ہو گا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے منظور ہے میں ہر شرط پر بیعت کروں گا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ صحاح ستہ میں موجود نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے کوئی عمل نیک بھی کار آمد نہیں ہو سکتا (۱) شرک باللہ (۲) والدین کی نافرمانی ان سے سرکشی (۳) میدانِ جنگ سے بھاگ جانا۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

جدی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کہا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ جنگ سے فرار کا گناہ بھی ہو۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حضرت زید خادم نبی نے بھی اس کے سوا اور حدیث بیان نہیں کی۔ بعض نے کہا ہے فرار از جنگ صحابہ پر حرام تھا اس لئے کہ جہاد اس وقت ان ہی پر فرض تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ صرف انصار پر فرض تھا اس لئے کہ بیعت ان ہی نے کی تھی اور کہا تھا کہ سختی اور راحت ہر حالت میں ہم فرماں بردار رہیں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت صرف اہلِ بدر سے مخصوص ہے۔ دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مستقل اور صاحبِ شوکت جماعت تھی ہی نہیں جو کچھ تھے یہی مٹھی بھر لوگ تھے اس لئے ایسے حکم کی سخت ضرورت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اسی حالت پر روشنی ڈالتی ہے کہ یا اللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو بھی ہلاک کر دے گا تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔

حسن بصری سے روایت ہے کہ یومِ بدر میں یہ بات ضروری تھی لیکن آج اگر کوئی اپنے امام کی طرف یا اپنے قلعہ کی طرف پناہ لے تو کوئی حرج نہیں چنانچہ یومِ بدر میں بھاگنے والوں کے لئے اللہ نے دوزخ قرار دیدی۔ لیکن استثنا بھی کر دیا کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے حکمتِ عملی کی خاطر یا اپنی جماعت میں آ کر محفوظ ہو جانے کے لئے ایسا کیا تو خیر حرج نہیں۔ پھر اس کے بعد جنگ اُحد ہوئی تو فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ۔ پھر سات سال بعد جنگِ حنین ہوئی تو فرمایا۔ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ اور ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ۔ اور پھر فرمایا۔ وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ۔ یہ آیت اہلِ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اس ساری تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر اہلِ بدر بھی بوقتِ جنگ اگر فرار کریں تو بھی یہ حرام ہونا چاہیے۔ اگرچہ یہ آیت بوقتِ جنگِ بدر نازل ہوئی تھی لیکن جب اس کو سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا تو حرام ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے (بے شک) ان کو قتل کیا آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے

رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

وہ پھینکی اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مومنین کے اقوال کے) خوب سننے والے (اور انکے افعال و احوال کے) خوب جاننے والے ہیں

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا۔

کارسازِ حقیقی

اس بات پر روشنی ڈالی جارہی ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ پاک ہے اور جو نیک کام بندوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کو خدا ہی نے نیک بنایا ہے کیونکہ توفیق اسی نے دی تھی اور کام کرنے کی ہمت و قدرت اسی نے بخشی تھی۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا ہے بلکہ اللہ نے قتل کیا ہے تمہاری طاقت میں یہ کہاں تھا کہ اتنے کم ہونے کے باوجود دشمن کی اتنی کثیر التعداد فوج کو شکست دیتے یہ کامیابی خدا ہی نے تمہیں دی۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ یعنی بدر میں خدا نے تمہیں کامیاب بنایا حالانکہ تم بہت کمزور تھے۔ اور فرمایا۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ۔ یعنی اللہ نے اکثر مواقع پر تمہاری مدد فرمائی۔ حنین کی جنگ میں تمہاری کثرت نے تم کو مغرور بنا دیا تھا۔ لیکن اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ زمین اتنی کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ اللہ جانتا ہے کہ کامیابی کثرت عدد پر نہیں اور نہ تعداد اور ہتھیاروں پر ہے کامیابی تو اللہ کی طرف کی بات ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔ پھر مٹھی بھر مٹی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے جو جنگ بدر میں کافروں کے منہ پر آپ نے پھینکی تھی کہ میدان جنگ کی جھونپڑی سے آپ باہر آئے خدا تعالیٰ سے دعا اور تضرع کی۔ یہ مٹی کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ پھر اصحاب کو حکم دیا کہ فوراً دھاوا بول دو۔ خدا کی قدرت کہ یہ مٹی اور کنکر مشرکین کی آنکھوں میں جا گرے۔ ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس سے متضرر نہ ہوا ہو اور جس کو جنگ سے قاصر نہ رہنا پڑا ہو۔ اسی لئے فرمایا کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی تم نے مٹی نہیں پھینکی تھی خدا تعالیٰ نے پھینکی تھی آنکھوں میں مٹی جھونک کر تم نے انہیں سرنگوں نہیں کیا تھا۔ خدا نے کیا تھا۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم بدر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا کی۔ کہ اے خدا! یہ مٹھی بھر لوگ مر جائیں گے تو کون تیرا نام لیوا باقی رہے گا۔ تو جبریل نے آکر کہا کہ مٹھی بھر مٹی ان کافروں کی طرف پھینک مارو۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ کافروں کی ناک آنکھ اور منہ مٹی سے بھر گیا اور اس گرد آلود آندھی سے گھبرا کر وہ پچھلے پاؤں بھاگے اور شکست ہوگئی مسلمانوں نے ان کو قتل کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا اور قید کرلیا۔ کافروں کو یہ ہزیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے سبب ہوئی۔ عبدالرحمٰن ابن زید کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کنکر لئے تھے۔ ایک سامنے پھینکا، دو کنکر دشمن کی فوج کے سیدھی بائیں طرف پھینکے تھے۔ یہ یوم بدر کا واقعہ ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح یوم حنین میں بھی کیا تھا۔ حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ بدر کے روز ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی گویا ایک تھال میں کنکر ڈال کر ہلائے گئے ہوں۔ یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی پھینکنے کی آواز تھی۔ چنانچہ ہمیں ہزیمت ہوگئی تھی۔ یہاں اور دو قول ہیں جو بہت غریب ہیں۔ (۱) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمان منگوائی۔ یہ بہت لمبی تھی۔ آپ نے دوسری لانے کا حکم دیا۔

ف عادۃً بھی تو یہ محال ہے کہ ایک شخص کی پھینکی ہوئی کنکریاں فوج کے تمام ہی حصوں اور ہر ہر سپاہی کے آنکھ میں جا گریں اس لئے عقل خود اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس عمل کو کسی مخفی طاقت کا ایک کرشمہ سمجھے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

دوسری لاق گئی۔ آپ نے اس سے قلعہ کی طرف ایک تیر پھینکا۔ یہ تیر گھومتا ہوا اچھلا اور سردارِ قبیلہ ابن ابی حقیق کے آ لگا۔ جب کہ وہ اپنے قلعہ کے اندر اپنے بستر پر تھا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ الی آخرہ۔ یہ حدیث بہت غریب ہے ممکن ہے راوی کو شبہ ہو گیا ہو یا اس کی مراد یہ ہو کہ یہ آیت عام ہے اور اس واقعہ کو بھی شامل ہے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سورۂ انفال کی اس آیت میں جنگِ بدر کا ذکر ہے۔ تو یہ واقعہ اسی جنگِ بدر کا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

(۲) یہ کہ اُحد کی لڑائی کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن خلف کے ایک نیزہ مارا تھا۔ یہ شخص زرہ بکتر اور لوہے میں غرق تھا۔ لیکن یہ نیزہ اس کے تالو پر جا لگا اور وہ گھوڑے سے لڑھکنے لگا۔ اس کے کئی دن بعد اسی تکلیف سے اس کی موت واقع ہوئی۔ وہ عذابِ دنیوی کے علاوہ عذابِ آخرت کا بھی مستحق ہوا۔ ان دونوں اماموں سے ایسی روایت بہت غریب ہے۔ شاید ان دونوں کا یہی مقصد ہو کہ آیت عام ہے۔ خاص واقعہ ہی سے متعلق نہیں۔ بلکہ جب کبھی ایسا ہو تو ہر واقعہ اسی آیت سے متعلق ہو سکتا ہے۔ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا۔ تاکہ مومنین اللہ کی اس نعمت کو معلوم کر لیں کہ دشمن ان سے بہت زیادہ ہونے کے باوجود اللہ نے انھیں غلبہ دیا۔ تاکہ وہ خدا کا شکر ادا کریں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے بڑا اچھا امتحان ہم سے لیا ہے إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون مدد کا مستحق ہے۔ اور کون نہیں۔ ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ۔ یہ نصرت حاصل کی۔ دوسری بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرا رہا ہے کہ کافروں کی چالوں کو ناکام بنا دینے والا ہے اور مستقبل میں ان کو ذلیل کرنے والا ہے اور وہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا

اور اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا　اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت خوب ہے　اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے

ع ۲ ۹ ۱۶ نَعُدْ ۚ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۹﴾

تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آوے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہیں

فیصلہ تیرے ہاتھوں میں ہے

کافروں سے خطاب ہے کہ اگر فتح مانگ رہے تھے۔ دعائیں کر رہے تھے کہ ہمارے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ کر دے تو جو مانگتے تھے وہی ہوا۔

اے خدا! جس نے ہم سے قطع تعلق کر رکھا ہے اور غیر مانوس باتیں ہمیں پیش کر رہا ہے۔ کل اُسے ذلیل کر۔ یہ تو انھیں کافروں کی مانگ تھی۔ پس یہ آیت اُتری کہ إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ تم فتح مانگ رہے تھے تو فتح آ گئی۔

سدی کہتے ہیں کہ مشرکین جنگِ بدر کے لئے جب مکہ سے چلنے لگے تو غلافِ کعبہ کو پکڑ کر خدا سے دعا مانگنے لگے اور کہنے لگے "اے خدا! دونوں فریقوں میں جو تیرے نزدیک افضل ہے اور جس کا قبلہ بہتر قبلہ ہے اُس کی مدد فرما" چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ تم جیسا کہتے ہو ویسی ہی میں تمہاری مدد کرتا ہوں اور وہ مدد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گی چنانچہ ارشاد ہے کہ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ ۚ یعنی اگر تم کفر سے باز آ جاؤ گے تو اُس کے اندر دین و دنیا میں تمہاری بھلائی ہے اور اگر تم نے پھر شرک و کفر کیا تو ہم بھی دوبارہ سزا دیں گے اور کفر و ضلالت کا تم نے پھر اعادہ کیا تو ہم بھی پھر ایسا ہی مزا چکھائیں گے اور دوبارہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح و نصرت دیں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ کچھ نفع نہ دے گی کام نہ آئے گی کیونکہ خدا جس کے ساتھ ہو اس پر کون غالب آ سکتا ہے إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو　اور اس کے رسول کا اور کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور (اعتقاداً) سے سنتے تو ہو

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ بیشک بدترین خلائق اللہ کے

اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٣﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا

نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے

لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٤﴾

تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اور اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے

اطاعت خدا اور اس کے بعد اطاعت رسول

مومنین کو اطاعت خدا اور اطاعت رسول اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کو چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے اور یہ کہ کافروں سے مشابہت نہ پیدا کرو۔ اور اسی لئے فرمایا وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ یعنی اطاعت اور امتثال امر نہ چھوڑو۔ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ یعنی حالانکہ تم جانتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس بات کی طرف بلا رہے ہیں اور ان لوگوں سے مشابہت پیدا کرو جو کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے منافقین مراد ہیں جن کا طریقہ یہ تھا کہ زبان سے تو کہتے تھے کہ ہم سنتے ہیں قبول کرتے ہیں۔ لیکن تھا کہ نہیں سنتے تھے۔ پھر آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ بنی آدم کی یہ قسم فطرۃً ساری مخلوق سے بدتر ہے۔ چوپایوں اور جانداروں میں بدترین وہ ہیں جو حق بات سننے میں بہرے ہیں۔ حق بات بولتے نہیں گونگے ہیں۔ عقل ہی نہیں رکھتے کیونکہ حق بات سمجھتے ہی نہیں۔ یہ بدترین مخلوق ہے اور یہ کافر انسان ہیں جانور تو جس فطرت پر پیدا شدہ ہیں اُسی ڈھرے پر چل رہے ہیں گویا خدا کے مطیع ہیں۔ انسان تو از روئے فطرت عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لیکن پھر بھی یہ کفر کرتے ہیں یعنی خلاف فطرت کرنے کی وجہ سے جانوروں سے بھی بدتر ہیں اسی لئے انھیں جانوروں سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ کافروں کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جو پکارنے والے کا مطلب تو کچھ نہیں سمجھتا صرف آواز کو سنتا ہے۔ پھر فرمایا بلکہ یہ کافر جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ ایسے ہی لوگ انتہائی غفلت میں ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قریش کے بنی عبد الدار کے لوگ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے منافق مراد ہیں۔ مگر مشرکین و منافقین میں کوئی منافات نہیں اس لئے کہ یہ دونوں فرقے بے عقل اور بے سمجھ ہیں اور عمل صالح کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر خدا جانتا ہوتا کہ یہ سمجھانے سے سمجھ جائیں گے اور ان میں کوئی خیر ہو سکتی تو اللہ انھیں سنا تا یعنی سننے کی قوت دیتا۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ چونکہ ان میں خیر ہی نہیں اس لئے وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور اگر خدا انھیں سنائے بھی تو بھی یہ کمبخت سیدھی راہ اختیار نہ کریں گے اعراض ہی کریں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجا لایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٥﴾

اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان میں اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے

اطمینان نہیں ہے

اے ایمان والو تمہاری ہی اصلاح اور مصلحت کی خاطر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلائیں تو فوراً قبول کر لو اور تعمیل حکم جلدی کرو۔ ابو سعید بن المعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا۔ آپ نے مجھے آواز دی لیکن نماز کی وجہ سے میں نہ جا سکا۔ نماز پڑھ کر میں پہنچا تو فرمایا کہ کیوں ابتک نہیں آئے۔ کیا تم سے خدا نے نہیں کہا ہے کہ خدا

خدا کا رسول تمہارے ہی بھلے کیلئے جب تمہیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ میں یہاں سے چلنے سے قبل تمہیں قرآن کی ایک عظیم سورت تعلیم کروں گا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگے تو میں نے یاد دلا دیا۔ غرض فوری تعمیل کا حکم ہے۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ابو سعید خدری کا ہے۔ آپ نے وہ سورت سورۂ فاتحہ بتائی اور فرمایا یہی "سبع مثانی" ہے۔ یعنی سات آیتیں ہیں جو ہر وقت نماز میں دہرائی جاتی رہتی ہیں۔ اس حدیث کا بیان سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ لِمَا يُحْيِيكُمْ کے معنی ہیں حق کی خاطر۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہی قرآن ہے جس میں نجات، بقا اور حیات ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اسلام لانے میں ہی اُن کی زندگی ہے اور کفر میں موت ہے۔ یا یہ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جنگ کے لئے بلائیں کہ جس کے ذریعہ اللہ نے تمہیں عزت بخشی حالانکہ اس سے پہلے تم ذلیل تھے اور ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی اور پہلے تم کافروں سے مغلوب تھے، پھر تم ان پر غالب ہو گئے۔ قولہ تعالیٰ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ۔ جان رکھو کہ اللہ انسان اور انسان کے دل کے درمیان حائل ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ کہ وہ حائل ہے مومن اور کفر کے درمیان اور کافر کے اور ایمان کے درمیان کہ مومن کو کفر کرنے نہیں دیتا اور کافر کو ایمان لانے نہیں دیتا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ وہ یوں حائل ہے کہ کافر کو سمجھنے نہیں دیتا۔ سدی کہتے ہیں کہ کوئی بھی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ اس کی اجازت کے بغیر ایمان لائے یا کفر کرے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت جیسی ہے کہ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اور بہت ساری احادیث اس کے مناسب حال وارد ہیں۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ اکثر آپ فرمایا کرتے تھے۔ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ۔ اے دلوں کو بدلنے والے میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ تو ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ پر اور قرآن پر ایمان لا چکے ہیں۔ کیا آپ کو ہم پر کوئی اندیشہ ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ کیونکہ کیا عجب تم بدل جاؤ۔ کیونکہ لوگوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جب چاہے بدل دے۔ نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر خدا تعالیٰ اس کو سیدھا رکھنا چاہے تو وہ سیدھا رہتا ہے، اگر چاہے بگاڑ دے تو وہ دل بگڑ جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ میزان خدا کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلکا کر دے چاہے بھاری۔ اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا دل بدل جاتے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں۔ خدا اگر چاہے تو انسان کے دل کو سیدھا اور مستقیم رہنے دے اور اگر چاہے تو وہ ٹیڑھا کر دے۔ اسی لئے ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ یعنی اے خدا! ہدایت پر ہونے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دے اور اپنی طرف سے ہمارے لئے رحمت بھیج۔ تو بڑا وہاب اور بخشنے والا ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے ایسی دعا سکھلائیے کہ میں اپنے لئے وہ مانگتی رہوں۔ تو فرمایا یوں دعا مانگا کرو۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنِي۔ نیز آپ نے فرمایا کہ بنی آدم کے قلوب خدا تعالیٰ کے پاس قلب واحد کی طرح ہیں جس طرح چاہے پھیرے۔ پھر فرمایا اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا إِلَى طَاعَتِكَ۔ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑥

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں

فتنۂ عظیم

مومنین کو آزمائش سے ڈرایا جا رہا ہے کہ خدا کی آزمائش گناہ گار اور نیکوکار سب سے متعلق ہو گی۔ صرف گنہگار اس سے مخصوص نہیں۔ حضرت زبیرؓ سے کہا گیا کہ یا ابو عبد اللہ تمہیں کیا ہو گیا۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے تم نے عثمانؓ کو کھو دیا۔ پھر ان کے خون کے دعوے دار بن گئے دعوے دار ہی بننا تھا تو انہیں قتل کیوں ہونے دیا۔ تو زبیرؓ نے کہا کہ یہ خدا کی آزمائش تھی جس میں ہم لوگ مبتلا ہو گئے۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے زمانے میں قرآن کے اندر پڑھتے تھے۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ یعنی تم بھی ایسی آزمائش میں مبتلا ہو گے جو صرف ظالموں ہی سے مخصوص نہیں۔ بلکہ

سب کا امتحان ہوگا۔ لیکن ہمیں گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں کو اس سے سابقہ پڑے گا حتیٰ کہ وہ آزمائش ہم پر آپڑی اور مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ مرے اور قتل عثمان رضؓ سے اس فتنہ کی ابتدا ہو گئی۔

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ آیت علیؓ، عمارؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے بارے میں اُتری ہے۔ زبیر رضؓ کا بیان ہے کہ ہم ہمیشہ یہ آیت پڑھتے رہتے تھے۔ لیکن کیا خبر تھی کہ اس کا مصداق ہم ہی ہوں گے۔ سدی کا خیال ہے کہ یہ خاص کر اہل بدر کے حق میں اُتری ہے۔ جنگ جمل میں وہی اس کا مصداق بنے اور آپس میں لڑ بیٹھے۔ ابن عباس کا خیال ہے کہ اس سے صرف اصحاب نبی مُراد ہیں۔ ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومنین کو حکم ہے کہ بدی کو مسلمانوں میں پھیلنے نہ دو۔ جہاں کسی کو امرِ منکر میں مُبتلا دیکھو فوراً روک دو۔ ورنہ عذاب سب پر ہونے لگے گا۔ یہی تفسیر ٹھیک ہے۔ مجاہد رحؒ کہتے ہیں کہ یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ ابن مسعود رضؓ کہتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اس آزمائش میں مُبتلا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ پس تم میں سے ہر شخص کو فتنوں کی گمراہیوں سے خدا کی پناہ مانگنا چاہئے کیونکہ یہ تحذیر صحابہ اور غیر صحابہ سب پر شامل ہے اگرچہ یہ ضرور صحیح ہے کہ خطاب صحابہ سے ہے۔ یہ حدیث فتنوں اور آزمائشوں سے ڈرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس موضوع سے متعلق انشاء اللہ ایک مستقل کتاب میں صراحت کی جائے گی کہ یہ کام ائمہ نے بھی مستقل کتابوں کی صورت میں انجام دیا ہے۔ یہاں جس چیز کا خصوصیت سے ذکر ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل خواص کے عمل کے سبب عوام پر عذاب نہیں بھیجتا ہے۔ لیکن جب کہ خاص لوگ امرِ مُنکر قوم میں پھیلا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کو روکنے پر قادر ہوتے ہیں لیکن اپنے اقتدار کو کام میں لاکر نہیں روکتے تو پھر عمومی عذاب آجاتا ہے اور اس میں خاص و عام سب گرفتار بلا ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم جب تک تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے عذاب نہ آئے گا اور جہاں بُری باتوں سے تم نے روکنا چھوڑ دیا اور نیک کام کی ترغیب سے رُک گئے تو اللہ پاک تم پر سخت ترین عذاب بھیج سکتا ہے۔ پھر تم لاکھ دُعا کرو گے دُعا قبول نہیں ہوگی۔ یا یہ اللہ تعالیٰ تم پر دوسری قوم کو مسلط کر دے گا۔ پھر تمہاری ساری دُعائیں بے کار ہو جائیں گی۔

ابوالرقاد کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام کو حذیفہ کی طرف بھیجا تو وہ اس وقت یہ کہہ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر ایک بات بھی کوئی اس قسم کی کہہ دیتا تو اس کو منافق سمجھنے لگتے۔ لیکن آج ایک نشست میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے میں ایسے چار منافقانہ کلمات سُن رہا ہوں۔ تم کو چاہئے کہ نیک کاموں کا حکم دیا کرو، بُری باتوں سے فوراً روک دیا کرو، لوگوں کو خیر پر اُبھارا کرو۔ ورنہ تم سب کے سب عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے یا عذاب اس نوعیت کا ہوگا کہ تمہارے حاکم بدلوگ بنا دیئے جائیں گے۔ پھر اچھے لوگ بھی لاکھ دعائیں کریں کچھ نہ ہوگا۔ نعمان بن بشیر تقریر کر رہے تھے اور اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ کے حدود پر قائم رہنے والے اور حدود اللہ کو توڑنے والے یا اس میں سستی و غفلت کرنے والوں کی مثال یوں سمجھو جیسے چند لوگ کسی کشتی میں سوار ہیں کشتی کے اوپر کے لوگ نیچے کے لوگوں کی تکلیف کا سبب بنے اور نیچے کے لوگوں نے اوپر کے لوگوں کو تکلیف پہنچائی یعنی نیچے کے لوگوں کو پانی کی ضرورت ہوئی تو اوپر گئے تاکہ پانی کھینچ لائیں لیکن اوپر والوں کو تکلیف ہونے لگی تو کہنے لگے اگر ہم کشتی میں نیچے ہی سے کوئی تختہ ہٹا کر پانی کی سبیل کرلیں تو اوپر والوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ غرض یہ کہ ظاہر ہے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوا ہوگا کشتی میں پانی آنے کے سبب سب ڈوب گئے ہوں گے۔ چاہئے کہ کشتی میں سوراخ کرنے سے انھیں روک دیا جائے۔ اسی طرح اگر ان گنہگاروں کو اگر تم چھوڑ دو گے اور گناہ سے روکو گے نہیں تو کشتی والوں کی طرح تم سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے اگرچہ کشتی کے اوپر والوں کی طرح تمہارا اپنا قصور نہ ہو اس لئے کہ یہ سزا ہے اس بات کی کہ روکا کیوں نہیں۔ ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ معاصی جب میری اُمت میں عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ عذاب کو عام کر دے گا تو میں نے کہا یا رسول اللہ اس میں نیک لوگ بھی تو ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لیکن مرنے پر اللہ کی مغفرت انھیں حاصل رہے گی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ

(اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے سرزمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو (مخالف) لوگ

النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۷)

نوچ کھسوٹ نہ لیں سو (ایسی حالت میں) اللہ نے تم کو (مدینہ میں) رہنے کو جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو

بڑا انقلاب

اللہ پاک ان نعمتوں کو بتا رہا ہے جو مؤمنین پر کی گئیں کہ تم تعداد میں کم تھے ہم نے تمھیں بڑھا دیا۔ کمزور تھے اور خائف تھے۔ ہم نے قوی بنا دیا اور خوف کے اسباب دور کر دیئے، غریب اور فقیر تھے، پاک رزق دیا، شکر گذار بنایا، اطاعت کرنے لگے اور ہر بات میں فرماں بردار ہو گئے۔ یہ تھا حال مؤمنین کا جب کہ وہ مکے میں تھے اور تعداد میں بہت تھوڑے تھے، کمزور تھے، مشرک، مجوسی، رومی سب کے سب ان کی قلت اور عدم قوت کے سبب ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ ہر آن انھیں خوف تھا کہ وہ اچک لئے جائیں گے یہی حالت ایک عرصہ تک رہی پھر اللہ نے انھیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ وہاں انھیں پناہ ملی۔ مدینے کے لوگوں نے ان کی مدد کی۔ یوم بدر اور دوسری لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا۔ جان و مال ان پر قربان کر دیا کیونکہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا چاہتے تھے۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ قتادہ رضہ کہتے ہیں کہ عرب میں یہ لوگ بہت ہی خستہ حالی میں تھے۔ ان کی زندگی بہت تباہ تھی، پیٹ سے بھوکے، جسم سے ننگے، راہ سے بے راہ، جو بھی تھا بد نصیب، انھیں تو کھانے کو نہ ملتا تھا بلکہ ان ہی کو کھایا جا رہا تھا۔ ہمیں تو نہیں معلوم کہ دنیا بھر میں اُن سے بڑھ کر بھی کوئی ذلیل حالت میں ہو۔ لیکن اسلام لانے کے بعد کیا ہوا۔ یہی ذلیل لوگ ملکوں پر قابض ہو گئے، امیر اور بادشاہ بن گئے، رزق [illegible] ملنے لگا، بادشاہوں پر بھی حکم چلانے لگے، اللہ نے انھیں وہ سب کچھ دیا جو آج تم دیکھ رہے ہو۔ اب اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو [illegible] حقیقی ہے، شکر گذار بندوں کو پسند کرتا ہے اور دولت و نعمت کو اور بڑھاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۸)

اے ایمان والو! تم اللہ و رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو۔ اور تم تو اس کا (مضر ہونا) جانتے ہو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۹)

اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر (موجود) ہے

خیانت بڑا پاپ ہے

یہ آیت ابو لبابہ بن عبدالمنذر کے حق میں اُتری ہے جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنو قریظہ کے یہودیوں کی طرف بھیجا تھا کہ حکم رسول کی شرط مانتے ہوئے قلعہ خالی کر دیں۔ یہودیوں نے ابو لبابہ ہی سے مشورہ [illegible] انھوں نے ان کے حسب مرضی مشورہ دیا۔ اس کے بعد ہی ابو لبابہ کو احساس ہوا اور وہ تاڑ گئے کہ یہ تو اللہ اور رسول کی خیانت ہوئی۔ چنانچہ قسم کھا بیٹھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانہ لے گا مر جائیں گے لیکن کھانا نہ کھائیں گے اب مدینے کی مسجد میں آئے ستون سے اپنے کو باندھ دیا۔ نو دن اسی حالت میں گذر گئے، بھوک پیاس سے غش کھا کر گر گئے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی، لوگ بشارت دیتے ہوئے آئے اور چاہا کہ ستون سے کھول دیں۔ ابو لبابہ نے کہا مجھے صرف رسول اللہ کھول سکتے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا تو کہنے لگے یا رسول اللہ! میں نے سب اپنا مال صدقہ کر دیا تو آپ نے فرمایا نہیں۔ صرف تیسرا حصہ صدقہ ہو گا۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ مضمون کے اعتبار سے یہ آیت قتل عثمان رض کی پیش گوئی سے متعلق ہے کیونکہ امیر کو فتنہ و فساد پیدا کر کے قتل کر دینا اللہ اور رسول کی خیانت ہے۔

جابر بن عبداللہ رض کہتے ہیں کہ ابو سفیان مکے سے نکلے، جبرئیل نے آکر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابو سفیان فلاں

مقام پر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ابو سفیان فلاں مقام پر ہے اس کو گرفتار کرنے کے لئے نکلو اور یہ معاملہ بالکل راز میں رہے۔ لیکن ایک منافق نے ابو سفیان کو لکھ بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو پکڑنے کے درپے ہیں۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ تو یہ آیت اتری کہ اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو۔ رسول کا راز ظاہر کر دینا بھی رسول کی خیانت ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ آیت کے سیاق سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ مسلم و بخاری میں حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ یوں لکھا ہے کہ انھوں نے کفارِ قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قصد سے آگاہ کرنے کے لئے خط لکھا۔ یہ فتح مکہ کے وقت کی بات ہے۔ اللہ نے رسول کو آگاہ فرما دیا۔ آپ نے پیچھے ہی آدمی کو دوڑایا وہ خط پکڑا گیا۔ حاطب کو بلایا گیا۔ حاطب نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ عمر بن خطاب رض کہنے لگے یا رسول اللہ! اس کی گردن اڑا دیجئے اس نے اللہ اور رسول سے خیانت کی ہے۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمر جانے بھی دو یہ بدر کے جہاد میں شامل تھا۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ مجاہدینِ بدر کے بارے میں اللہ نے فرما دیا ہے کہ میں نے تمھیں بخش دیا" تمھارے سب گناہ معاف ہیں۔ غرض یہ کہ صحیح تر یہی بات ہے کہ آیت عام ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ آیت کا شانِ نزول ایک سبب خاص ہے۔ اور علماء کے نزدیک عموم لفظ کے قائل ہو سکتے ہیں خصوص سبب نہیں تو نہ سہی۔ اور خیانت کی تعریف میں چھوٹے بڑے لازم اور متعدی سب ہی گناہ شامل ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہاں لفظِ امانت سے وہ سارے اعمال مراد ہیں جو اللہ نے بندوں پر فرض کر رکھے ہیں۔ مراد یہ کہ فریضہ کو نہ توڑو، ترکِ سنت نہ کرو، ارتکابِ معصیت سے بچو۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ سامنے تو کسی کی مرضی کی بات بولو اور اس کی عدم موجودگی میں کسی سے اس کی غیبت یا مخالفت کرو۔ اصلی خیانت یہی ہے۔ امانت اسی سے ختم ہوتی ہے۔

سدی رح کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی خیانت یہی ہے کہ آدمی باہمی خیانت کرے۔ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات سنتے تھے دوسروں سے کہہ دیتے تھے اس کی خبر مشرکین تک پہنچ جاتی تھی۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان کی بات بہر صورت امانت ہوا کرتی ہے۔ بات کو جہاں سنا ہے وہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کسی کے سامنے کسی کی بات دہرانا نہیں چاہیئے اگرچہ اس نے منع نہ کیا ہو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ فتنہ سے آزمائش اور امتحان مراد ہے کہ اولاد دے کر آزماتے ہیں کہ تم شکر کرتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں بجا لاتے ہو یا نہیں۔ یا یہ کہ ان کی محبت میں خدا سے غافل ہو جاتے ہو۔ اگر اس امتحان میں پورے اترو گے تو اللہ کے پاس اجرِ عظیم ہے۔ اور فرمایا کہ شر اور خیر کے ذریعہ ہم تم کو آزمائیں گے۔ اور فرمایا کہ اے مومنو! تمھاری اولاد اور تمھارے اموال خدا کی یاد سے تم کو غافل نہ بنا دیں۔ اگر ایسا ہوگا تو تم بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ اور فرمایا کہ تمھاری بیویاں اور تمھاری اولاد دشمن ہیں اس لئے احتیاط کو پیشِ نظر رکھو اللہ ...... کا ثواب اور اس کی جنتیں اس مال اور اولاد سے کہیں بہتر ہیں۔ یہ دشمن کی طرح ضرر رساں ہیں اور اکثر ان میں سے تمھارے لئے فائدہ بخش نہیں بنتے۔ اللہ پاک دنیا اور آخرت کا مالک ہے قیامت میں اس کے پاس ثواب عظیم ہے۔ حدیث میں ہے کہ "اے ابن آدم! تو مجھے ڈھونڈھ میں مل جاؤں گا" میں تجھے مل گیا تو سمجھ لے کہ سب کچھ مل گیا۔ اور اگر تو نے مجھے کھو دیا تو سب کچھ کھو دیا۔ چاہیئے کہ میں تیرے پاس ہر چیز سے زیادہ محبوب رہوں"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں دل میں زبردست حلاوتِ ایمان ہے (۱) اللہ اور رسول کا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہونا (۲) جس سے بھی محبت اور خلوص ہو تو صرف خدا کی خاطر اور للہیت کے طور پر ہو، ذاتی غرض شامل نہ ہو (۳) آگ میں جھونک دیا جانا بہتر سمجھے بہ نسبت اس کے کہ اسلام کے بعد مرتد ہو جائے۔ بلکہ رسول کی محبت کو اموال و اولاد پر بھی مقدم سمجھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ "خدا کی قسم ایمان نصیب ہی نہیں اگر اپنی جان و مال و اولاد سے زیادہ مجھے نہ چاہو"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمھارے گناہ دور کر دے گا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۱)

اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

تقویٰ کے برکات

اے مومنو! اگر تم خدا سے ڈرو تو اللہ تم کو دین اور دنیا میں نجات دیدے گا۔ "فرقان" سے مُراد نجات یا مدد۔ یا حق و باطل میں فیصلہ مُراد ہے۔ یہ تفسیر ابن اسحاق کی تفسیر، تفسیرِ ماسبق سے زیادہ عام ہے۔ اس لئے کہ جو خدا سے ڈرے گا اس کے احکام بجالائے گا اس کی مناہی سے اجتناب کرے گا، معرفتِ حق و باطل کی اُسے توفیق ہوگی یہ اس کی نجات و مدد کا سبب ہوگا۔ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ خدائے تعالیٰ غفار و ستار بن جائے گا۔ اللہ سے جزائے عظیم کا حقدار ہوگا جیسا کہ فرمایا "اے مومنو! خدا سے ڈرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ خدا تم پر دُہری رحمت نازل کرے گا، وہ تمھیں ایک نور دیگا کہ اس کی رہنمائی میں چلوگے، وہ تمھیں بخش دے گا، وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ

اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جبکہ کافر لوگ آپ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ (آیا) آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کردیں

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (۲)

اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (میاں) اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے

کمزور تدابیر اور غالب تدبیر

آپ کا فر یہ چال چلنا چاہتے ہیں کہ تم کو قید کردیں یا قتل کردیں یا وطن سے نکال دیں۔ "اثبات" کے معنی قید اور حبس کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمھارے ساتھ کوئی بُرا ارادہ رکھتے ہیں۔ کافروں نے جب یہ مشورہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قید یا قتل کردیں یا دیس نکالا دیں تو ابو طالب نے بھتیجے سے پوچھا کیا تمھیں کچھ خبر ہے کہ یہ کافر تمھارے ساتھ کیا قصد رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ قید یا قتل یا جلاوطنی۔ تو ابو طالب نے پوچھا آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا میرے رب نے خبر دی۔ ابو طالب نے کہا۔ تمھارا رب بہت اچھا رب ہے۔ ہمیشہ اس کے خیر طلب رہو۔ آپ نے فرمایا میں اس کا خیر طلب کیا رہوں گا بلکہ وہ میرا خیر طلب رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابو طالب کا ذکر اس میں بہت ہی عجیب ہے بلکہ قابل انکار۔ اس لئے کہ یہ آیت مدنی ہے۔ اور یہ واقعہ اور قریش کا اس طرح مشورہ کرنا ہجرت کی رات میں تھا۔ اور ابو طالب کی موت تو اس سے بھی تین سال پہلے واقع ہو چکی تھی۔ ابو طالب کی موت ہی کے سبب تو کافروں کو اتنی جرأت و ہمت بھی ہوئی تھی کیونکہ ابو طالب تو ہمیشہ آپ کی حمایت اور مدد کرتے رہتے تھے اور یہ بھتیجے کی حفاظت میں قریش کا مقابلہ کرتے تھے۔ ابن عباس رض سے نقل ہے کہ سردارانِ قریش کی ایک جماعت نے مجلسِ شوریٰ کی۔ اور آپ کی ضرر رسانی کے درپے ہوئے۔ اس مجلس میں ایک ابلیس بھی شیخ کی صورت میں آیا۔ لوگوں نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا۔ میں اہل نجد کا شیخ ہوں۔ میں نے سُنا کہ تم لوگ مجلسِ شوریٰ کر رہے ہو۔ میں بھی چلا آیا تاکہ میری نصیحت اور مشورے سے تم محروم نہ رہو۔ لوگوں نے کہا آئیے ضرور آئیے۔ وہ کہنے لگا کہ تم لوگ اس شخص کے بارے میں خوب فکر اور تدبیر سے کام لو ورنہ بہت ممکن ہے کہ وہ تم پر غالب آجائے چنانچہ ایک نے رائے دی کہ اُسے قید کر دینا چاہیے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں ہلاک ہو جائے جیسا کہ زہیر اور نابغہ شاعروں کو اس سے پہلے قید کر دیا گیا تھا اور وہ وہیں تا دم مرگ پڑے رہے۔ اور یہ بھی تو ایک شاعر ہی ہے۔ اس پر وہ شیخ نجدی چیخ اُٹھا کہ میری تو ہرگز یہ رائے نہیں۔ خدا کی قسم اس کا رب اس کو وہاں سے نکال لے جائے گا۔ وہ اپنے ساتھیوں میں پہنچ جائے گا پھر وہ حملہ کرکے تم سے سب کچھ چھین لے گا اور تمھارے شہروں سے تم کو نکال باہر کرے گا۔ لوگوں نے کہا شیخ نے سچ کہا کوئی دوسری تجویز پیش کرو۔ دوسرے نے رائے دی کہ اس کو اپنے ملک ہی سے نکال باہر کر دو اور بیٹھیں یا جب وہ یہاں رہے گا ہی نہیں تو

تمھیں اس سے پھر اندیشہ ہی کیا ہے۔ اس کا تعلق تمھارے سوا کسی اور سے رہے گا۔ تمھیں کیا واسطہ۔ یہ سُن کر شیخ نجدی نے کہا۔ خدا کی قسم یہ رائے بھی ٹھیک نہیں۔ کیا تمھیں اس کی شیریں زبانی کی خبر نہیں؟ وہ اپنی باتوں سے سب کا دل موہ لیتا ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ باہر جاکر سارے عرب کو ملا لے گا۔ اس کے سارے حمائتی مل کر جمع ہو کر بیٹھیں گے اور تمھیں اپنے وطن سے نکال دیں گے تمھارے شرفاء قتل ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا شیخ سچ کہتا ہے۔ کوئی اور رائے پیش ہو۔ تو ابو جہل نے کہا میں ایک مشورہ دیتا ہوں اگر تم سوچو تو اس سے بہتر کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ ہر قبیلہ سے تم ایک ایک نوجوان چُن لو جو بہادر اور شریف ہو۔ ہر ایک کے پاس تلوار ہو۔ سب مل کر اس پر دفعۃً وار کر بیٹھیں جب وہ قتل ہو جائے تو اس کا خون قبائل میں بٹ جائے گا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ بنی ہاشم کا ایک قبیلہ قریش کے سارے قبیلوں سے لڑائی مول لے مجبوراً بنی ہاشم کو اس کے قتل کی دیت قبول کرنی پڑے گی۔ دیت دیدیں گے ہم کو چین مل جائے گا۔ شیخ نجدی نے کہا واللہ یہ رائے ٹھیک رہی۔ اس سے بہتر کوئی رائے نہیں۔ اس پر اتفاقِ رائے کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔ اب جبرئیل ۴ آئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آج کی رات بستر پر نہ سونا۔ اور کافروں کی سازش کی اطلاع دیدی۔ آپ اس رات بستر پر نہ سوئے اور اسی وقت ہجرت کا حکم دیدیا۔ مدینے آنے کے بعد اللہ پاک نے آپ پر سورۃ انفال نازل فرمائی۔ اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ یَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ وہ چال چلتے ہیں اللہ بھی چال چلے گا۔ اللہ بڑا مدبّر ہے ان کا قول تھا "تربصوا بہ ریب المنون حتی یھلک" اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشادِ باری ہے اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِہٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ (ترجمہ) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس دن کا نام ہی "یوم الزحمۃ" پڑ گیا۔ کیونکہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی گئی تھی اُن کے انھیں ارادوں کا ذکر آیت وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْھَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکمِ خداوندی کے انتظار میں تھے اور جب قریش نے قتل کا ارادہ کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ علی رضؓ سبز چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، لوگ دروازے پر دکھائی دیے آپ نے ایک مٹھی بھر مٹی لی، ان کی طرف پھینکی، ان کی آنکھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پھر گئیں۔ آپ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ تا فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ پڑھتے ہوئے نکل گئے۔ ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ آپ نے فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت فاطمہ نے کہا کیسے نہ روؤں۔ یہ قریش لوگ لات و عزّیٰ کی قسمیں کھا کر وعدہ کئے ہوئے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر حملہ کر کے قتل کر دیں گے اور ہر ایک ان میں سے آپ کے قتل میں حصہ لینا چاہتا ہے آپ نے فرمایا بیٹی وضو کے لئے پانی لاؤ۔ آپ نے وضو کیا کعبۃ اللہ کی طرف چلے۔ قریشیوں نے کہا کہ یہ وہی ہے لیکن ساتھ ہی اُن کے سر نیچے کو جھک گئے۔ گردنیں ٹیڑھی ہو گئیں وہ اپنی نگاہیں اٹھا نہ سکے۔ آپ نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اُنکی طرف پھینکی اور کہا کہ چہرے بگڑ جائیں جسکو یہ کنکری لگی یوم بدر میں وہ کافر ضرور قتل ہوا۔ غرض آپ ہجرت کر گئے غار میں جا پہنچے حضرت صدیق کو ساتھ لے لیا مشرکین رات بھر آپ کے گھر کا محاصرہ کئے رہے اور حضرت علی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے رہے صبح کے قریب دھاوا بول دیا لیکن گھر میں علی کو دیکھا تو سارا منصوبہ چوپٹ ہو گیا۔ پوچھنے لگے محمد کہاں ہیں؟ حضرت علی نے کہا مجھے کوئی خبر نہیں۔ نقش قدم کے پتہ سے چلے۔ پہاڑ کے قریب پہنچے تو اشتباہ ہو گیا پہاڑ پر چڑھ گئے، غار کے سامنے سے گذرے۔ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بن دیا تھا۔ کہنے لگے کہ اگر غار کے اندر کوئی گیا ہوتا تو اُس کے دہانے پر مکڑی کا اتنا بڑا جالا کیسے قائم رہتا۔ آپ غار میں تین دن ٹھیرے رہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ چال چلتے ہیں تو ہم بھی اپنی چال چلتے ہیں۔ دیکھو کیسے ان کافروں سے نجات دے دی۔

۵۶ – ہیں وہ تدابیر جو خدائے قادر و توانا اپنے خاص بندوں کی حفاظت کے لئے اختیار فرماتے ہیں۔ یہ وہی تدابیر ہیں جو ہمیشہ کامیاب رہتی ہیں اور اُن کے مقابل میں جو حیلہ گری ہوتی ہے اُس کا انجام سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں ۱۲ (مترجم)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ
اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور اگر ہم ارادہ کریں تو اس کی برابر ہم بھی کہہ لادیں یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں

الْاَوَّلِیْنَ ۞ ۳۱ وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا
ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آرہی ہیں اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۞ ۳۲ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ
آسمان سے پتھر برسائیے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب واقع کر دیجئے اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے

فِیْھِمْ ؕ وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۞ ۳۳
ان کو (ایسا) عذاب دیں اور (نیز) اللہ تعالیٰ ان کو (ایسا) عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں

کفّار کا ھذیان

قریش کے کفر و تمرد کی خبر دی جا رہی ہے کہ قرآن سُن کر وہ کیسا دعوائے باطل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے جو یہ قرآن سُنا ہے چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ دیں یہ صرف اُن کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور قول بلا فعل ہے۔ چنانچہ اس پر بارہا قرآن میں تحدی کی گئی۔ چیلنج دیا گیا کہ ایسی سورت ایک ہی بنا لاؤ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے ایسا کہہ کر وہ خود اپنے نفسوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور اپنے احمق متبعین کو بھی دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث تھا یہ بے دین بلاد فارس کی طرف گیا ہوا تھا وہاں کے ایرانی بادشاہوں اور رستم و اسفندیار کی تاریخ پڑھا ہوا تھا اور جب واپس ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت واقع ہو چکی تھی آپ لوگوں کو قرآن سُناتے رہتے تھے اور جب حضرت مجلس ختم کر دیتے تو یہ کمبخت نضر بیٹھ جاتا اور یہ ایرانی بادشاہوں کی تاریخ بیان کر کے کہتا، بتاؤ کس نے اچھی قصہ خوانی کی ہے، میں نے یا محمدؐ نے؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے یوم بدر میں مسلمانوں کو کامیابی بخشی اور بعض مشرکین مکہ گرفتار ہوئے تو حضرتؐ نے اس کو بھی گردن زدنی قرار دیا اور اس کی بھی گردن اُڑا دی گئی۔ مقداد بن اسود نے اس کو قید کیا ہوا تھا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے بدر کے روز تین قیدیوں کے قتل کا حکم دیا تھا (۱) عقبہ بن ابی معیط (۲) طعیمہ بن عدی (۳) نضر بن حارث۔ نضر مقداد کا قیدی تھا۔ حضرت نے جب اس کے قتل کا حکم دیا تو مقداد نے کہا یا رسول اللہؐ! یہ تو میرا قیدی ہے مجھے ملنا چاہیے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے کتاب اللہ کو منہ چڑایا ہے چنانچہ قتل کا حکم ہو گیا۔ مقداد نے اپنے اسیر کی طرف پھر حضرت کو توجہ دلائی تو آپ نے یہ دعا کی کہ یا اللہ! تو اپنے فضل سے مقداد کو بہت کچھ دے۔ تو مقداد کہنے لگے یا رسول اللہؐ! اصرار کے ساتھ مطالبہ سے میری یہی تو غرض تھی کہ آپ سے دعا کرا لوں اسی نضر کے بارے میں یہ آیت اُتری وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا الخ سعید بن جبیر نے طعیمہ کے بجائے مطعم بن عدی کا نام کہا ہے اور یہ بات غلط ہے اس لئے کہ مطعم بن عدی تو بدر کے روز زندہ ہی نہیں تھا۔ اسی لئے اس روز حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان مقتولین میں سے کسی کا سوال کرتا تو میں اس کو یہ قیدی دے دیتا آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ اس نے حضرت کو اس وقت بچایا تھا جب کہ آپ طائف کے ظالموں سے پیچھا چھڑا کر مکے واپس ہو رہے تھے۔

"اساطیر" اسطورہ کی جمع ہے یعنی وہ کتابیں اور اقتباسات جو سیکھ کر لوگوں کو سُنائے جاتے ہیں اور یہ محض فسانے ہوتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَھَا فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا ؕ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو متقدمین کے جھوٹے افسانے ہیں جنہیں لکھ لیا گیا اور شب و روز سُنایا جاتا رہتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس سے درگزر فرما کر اس کی توبہ قبول کرتا ہے وہ آسمان و زمین کے بھیدوں کو جانتا ہے اور یہ قرآن اُسی کی طرف سے ہے کافر کہتے تھے کہ "اے خدا اگر یہ قرآن حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا یا عذاب الیم ہمیں دے" یہ دعا ان کے جہل و نادانی و سرکشی و عناد کی وجہ سے ہے اس لئے وہ بے وقوفی میں بدنام ہیں۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ وہ دعا یوں

مانگتے کہ الٰہی! اگر یہ قرآن تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اس کے اتباع کی توفیق عنایت فرما لیکن انہوں نے تو اپنی جان پر عذاب مول لے لیا اور سزا کے لئے جلدی کرنے لگے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ ارے عذاب کا اگر ایک دن مقرر نہ ہوتا تو عذاب انھیں فوراً ہی آپکڑتا کہ انہیں خبر تک نہ ہوتی" وہ کہتے ہیں کہ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا الخ اور سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ گذشتہ امتوں کے جاہلوں نے بھی تو ایسا ہی کہا تھا۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کہتی ہے کہ اے شعیب! اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان گرا دو یا یہ کہ اے خدا! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے سنگ باری کر" ابو جہل بن ہشام نے یہی کہا تھا کہ اللهم ان کان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب اليم کہ اگر یہ سچا قرآن ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر کیوں نہیں برسا دیتے تو یہ آیت اتری وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ الخ یعنی جبتک تم ان کے درمیان میں ہو خدا انہیں عذاب نہ دے گا۔ یا جب تک کہ وہ استغفار کرتے ہیں اور فرمایا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى الخ یعنی تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آؤ گے جیسا کہ پہلی دفعہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا عطاء کہتے ہیں کہ اس مضمون کی دس آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاص رضؓ کو جنگ احد میں گھوڑے پر سوار دیکھا۔ اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے خدا! محمدؐ جو کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو مجھے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے (یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایمان نہیں لائے تھے) اس امت کے جاہلوں کا بھی ایسا ہی قول تھا۔ اللہ پاک اپنی آیت کو پھر دہراتا ہے اور ان پر اپنی رحمت کا ذکر فرماتا ہے کہ جب تک وہ استغفار کرتے ہیں اور آپ ان میں ہیں ہم ان پر عذاب آسمانی نازل نہ کریں گے۔ مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بس بس یہیں تک بولو آگے نہ بڑھو لیکن کفار ساتھ ہی یہ بھی بولتے اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ لیکن تیرا ایک شریک بھی ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے املاک کا بھی مالک ہے اور پھر ساتھ ہی کہتے غُفْرَانَكَ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ تم جب تک ان میں ہو، وہ عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ان کو دو امان حاصل تھیں ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود، دوسرے ان کا بعد از شرک استغفار۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکشی کرنے کے بعد صرف ان کا استغفار سبب معافی رہ گیا۔ قریش آپس میں کہتے تھے کہ اللہ نے محمدؐ کو ہمارے درمیان بزرگ بنایا ہے۔ دن میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ وہ جو گستاخی کرتے رات کو نادم ہو کر کہتے غُفْرَانَكَ اللّٰهُمَّ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ والی آیت اتاری یعنی انبیاء علیہ السلام جب تک بستی سے نکل نہیں جاتے قوم پر عذاب نہیں آیا کرتا۔ ان میں بعض وہ لوگ بھی تھے جو پہلے ہی سے ایمان حاصل کر چکے تھے۔ وہ استغفار کرتے نمازیں پڑھتے، یہ مسلمان تھے اور حضرت کے ہجرت کے بعد بھی مکے میں رہ گئے تھے۔ حضرت کے مکے کی بستی کو چھوڑ کر چلے جانے کے باوجود اہل مکہ پر اس لئے عذاب نہیں آیا کہ یہ مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ یہ اہل مکہ وقوع عذاب سے بچ گئے کیونکہ یہ اچھے لوگ ابھی ان میں باقی تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی قیامت تک استغفار لوگوں کو عذاب سے بچاتا رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شیطان نے کہا اے خدا تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روحیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا۔

سلہ کیونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپ کے سراپا رحمت ہونے کا کچھ نہ کچھ فائدہ کفار کو بھی تھا۔ یہی فائدہ کیا کچھ کم ہے کہ آپ کے وجود اقدس واطہر کی برکت سے وہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کے انعامات بعض خاص ہیں اور بعض عام، بارش برستی ہے تو سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن ایمان کی دولت عام نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی خدا تعالیٰ کا ایک عام انعام تھا لیکن پہلی اس حقیقت کو فراموش نہ کیجئے کہ آپ کی برکت سے عام عذاب رک گیا پس اگر کسی پر کوئی خاص عذاب آجائے تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ۱۲ محشی

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ

اور دیگر، ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو (بالکل ہی معمولی) سزا (بھی) نہ دے حالانکہ وہ لوگ (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی

إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ

(بننے کے بھی لائق) نہیں اسکے متولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی شخص نہیں لیکن انمیں اکثر لوگ (اپنی نالائقی کا) علم نہیں رکھتے اور ان کی نماز

عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾

خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا سو اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب

دنیا کا وہ ظلم و عدوان تاریخ عالم جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے

یہ لائق عذاب تو تھے لیکن رسول ﷺ کی برکت سے عذاب سے بچ گئے اسی لیے جب آپ نے مکہ کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بروز بدر ان پر عذاب واقع فرمایا ان کے سردار قتل کر دیئے گئے۔ بڑے بڑے لوگ قیدی بن گئے۔ اللہ نے انہیں استغفار کی ہدایت فرمائی لیکن یہ اس کے ساتھ شرک و فساد کو بھی ملا دیتے تھے۔ قتادہؒ اور سدی کہتے ہیں کہ یہ مقتولین قریش استغفار نہیں کرتے تھے اگر کرتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بدر میں ذلت کی موت نہ دیتا اور اگر خود مکہ میں یہ کمزور مسلمان استغفار نہ کرتے ہوتے تو اہل مکہ پر ایسی مصیبت آپڑتی کہ ہٹائے نہ ہٹتی۔ استغفار کی برکت ہی نے مکہ میں عذاب نازل ہونے سے قریش کو بچایا اور مسلمانوں کے صدقہ میں وہ ایک عرصہ تک عذاب سے محفوظ رہے۔ یوم حدیبیہ میں اللہ پاک نے فرمایا تھا هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ الخ (سورۃ الفتح) یعنی ان لوگوں نے کفر کیا۔ بیت اللہ میں آنے سے تمہیں روک دیا قربانی کے جانوروں کو مذبح تک نہیں پہنچنے دیا اگر مکہ میں یہ مومن مرد و عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہیں تھے کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی وجہ سے بے خبری میں مضرت پہنچ جاتی۔ یہ اس لئے ہوا کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اگر یہ لوگ یہاں پناہ گزین نہ ہوتے تو کب کا ان پر عذاب الٰہی اتر چکا ہوتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمہارے ہوتے ان پر عذاب نہ کرونگا اور جبکہ حضرت مدینے کی طرف چلے گئے تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ تمہارے جانشین ابھی مکہ میں ہیں اور استغفار کرتے ہیں اس لئے ابھی عذاب نہ دونگا اور جب یہ مسلمان بھی مکے سے نکل گئے تو فرماتا ہے کہ اب کیوں نہ عذاب دیا جائے انہوں نے تم مسلمانوں کو کعبۃ اللہ آنے سے روکا وہ خدا کے دوست تو تھے نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کا عذاب ان پر نازل کیا اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت مَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ کی ناسخ ہے۔ عکرمہ اور حسن بصری کہتے ہیں کہ (و) انفال میں مَا كَانَ والی آیت کو اس کے بعد والی مَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ نے منسوخ کر دیا ہے چنانچہ فَذُوقُوا الْعَذَابَ فرمایا گیا۔ چنانچہ اہل مکہ سے جنگ ہوئی اور وہ بھوک اور مضرت کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو عذاب سے مستثنیٰ بھی کیا ہے پھر یہ بھی فرمایا کہ انہیں کیوں عذاب نہ کرے کہ مسجد حرام سے وہ مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ خدا کے اولیاء وہ نہیں بلکہ متقی لوگ ہیں لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے حالانکہ یہی روکے جانے والے لوگ کعبۃ اللہ کے زیادہ اہل ہیں کہ اس میں نماز پڑھیں طواف کریں اور یہ کفار

علے کفار مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے تھے کہتے تھے کہ ہم جس کو چاہیں داخل ہونے دیں اور جس کو چاہیں نہ آنے دیں کیونکہ ہم ہی اس مسجد کے متولی ہیں۔ حالانکہ ان کم عقلوں کو یہ سمجھ نہ آئی کہ مسجد سے تو حقیقی متولی بھی کسی کو روک نہیں سکتا چہ جائیکہ تم۔ حالانکہ تم اس مقدس مسجد کے متولی بھی نہیں کیونکہ اس عظیم مسجد کا متولی وہی ہو سکتا ہے جو ایمان اور اسلام کی دولت کے ساتھ تقوے کی پاکیزہ صفت سے بھی بہرہ ور ہو اور تم ایسے بدنصیب ہو کہ نہ تمہارے دامن میں اسلام اور ایمان کی دولت اور نہ تقوے کا سرمایہ پھر تولیت کا دعوے کس حد تک تمہارے لیے مناسب ہے؟ ذرا سوچو! (محشی)

مسجد حرام کے اہل نہیں ہیں جیسا کہ فرمایا کہ مشرکین کو کیا حق ہے کہ اللہ کی مسجد کو آباد رکھیں حالانکہ کفر ان کے دلوں میں جاگزیں ہے۔ ان کے تو سارے اعمال سلب ہیں اور دوزخ کا ایندھن ہیں۔ مساجد کو تو وہ آباد رکھیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھیں، نمازیں پڑھیں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ہدایت یافتہ لوگ یقیناً یہی ہیں اور فرمایا وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ خدا کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور مکے کے مسلمانوں کو مکے سے نکال دینا یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے حضرت سے پوچھا گیا آپ کے اولیا کون لوگ ہیں تو آپ نے منع فرمایا متقی لوگ۔ پھر آپ نے تلاوت فرمائی اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ حضرت نے قریش کو جمع کیا اور پوچھا کیا کوئی غیر قریش بھی تم میں ہیں تو لوگوں نے کہا صرف ہمارے بھانجے ہمارے حلیف، ہمارے غلام۔ تو آپ نے فرمایا حلیف بھانجے اور غلام سب ایک ہی قبیلہ کے ہوتے ہیں یہ سب اولیا ہیں لیکن میرے اولیا متقی لوگ ہیں مجاہد کہتے ہیں کہ ان سے مجاہد مراد ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں پھر اس بات کا ذکر ہے کہ مسجد حرام میں یہ لوگ کیا کرتے تھے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی عبادت بس یہی تھی کہ کعبے میں آ کر بھی یہ جانوروں کی سی سیٹیاں بجاتے اور تالیاں بجاتے ننگے ہو کر طواف کرتے، منہ میں انگلیاں رکھ کر سیٹی کی آواز نکالتے رخسار جھکاتے تالی بجاتے اس سی کو عبادت سمجھتے۔ بائیں طرف سے طواف کرتے مقصد یہ ہوتا کہ مسلمانوں کی عبادت میں حرج پیدا کریں۔ اس طرح یہ لوگ مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید تصدیہ کے معنی کہتے ہیں خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنا۔ فرماتا ہے کہ اب اپنے کفر کا مزہ چکھو یعنی یہ عذاب کہ یوم بدر میں قتل بھی ہوئے قید بھی ہوئے مجاہد کہتے ہیں کہ اہل اقرار پر عذاب سیف کے ذریعہ آتا ہے اور اہل تکذیب پر چیخ اور زلزلے کے طور پر آتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا

بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے

ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

رہیں گے دیکھی پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر آخر مغلوب ہی ہو جاویں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جاوے گا

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ

تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دے اور ان سے الگ کر کے ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے یعنی ان سب کو

فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع

متصل کر دے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں

بے سود خرچ نفع ضائع اور نقصان لازم

قریش پر جنگ بدر میں جب مصیبت پڑی اور یہ لوگ مکہ واپس ہوئے اور ابوسفیان بھی قافلہ لے کر لوٹے تو عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور قریش کے کئی آدمی جن کے باپ، بیٹے، بھائی جنگ میں کام آئے تھے ابوسفیان سے اور ان سے جن کا مال تجارت اس قافلہ میں تھا کہنے لگے کہ اے معشر قریش محمد تمہیں نیچا دکھا چکے ہیں تمہارے شرفا کو قتل کر دیا ہے، ان سے دوبارہ لڑنے کیلئے اس قافلہ کا مال تم دیدو تاکہ ہم ان سے اپنا انتقام لیں چنانچہ انہوں نے سب مال دے دیا اسی بارے میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ یعنی کافر اپنا مال خرچ کر رہے ہیں تاکہ خدا کا راستہ روک دیں اور وہ روپیہ خرچ کریں گے اور یہی مال ضائع ہو جائے گا تو پھر حسرت بھی اٹھائیں گے ہم انہیں دوبارہ مغلوب کر دیں گے اور وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ابوسفیان اور نفقہ اموال کے بارے میں نہیں بلکہ یہ آیت اہل بدر کے بارے میں اتری ہے بہر تقدیر یہ آیت عام ہے چاہے کسی بارے میں اتری ہو اور اگرچہ سبب نزول خاص ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اتباع طریق حق سے روکنے کے لئے کفار روپیہ پیسہ خوب خرچ کر رہے ہیں لیکن ان کے یہ اموال ضائع جائینگے

انہیں حسرت وندامت لاحق ہوگی ۔ وہ اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو کامل کرنا چاہتا ہے خواہ یہ کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ اپنے دین کا ناصر اپنے کلمہ کو غالب کرنے والا ہے گا ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہوگی اور آخرت میں عذاب دوزخ ہوگا۔ جو زندہ بچا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اپنے کانوں سے سن لیا کہ کیسی رسوائی سے آخرکار انہیں سابقہ پڑا اور جو مرگیا یا قتل ہوگیا وہ ابدی سوائی اور سرمدی عذاب سے دوچار ہوگیا۔ قولہ تعالیٰ لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ابن عباس کہتے ہیں کہ اہل سعادت کا امتیاز اہل شقاوت سے ہے کہ مومن کافر سے ممتاز ہوجائے اور یہ بھی محتمل ہے کہ امتیاز سے مراد آخرت کا امتیاز ہو جیسا کہ فرمایا کہ "ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارا شرکاء اپنی جگہ ٹھہرے رہو ہم ان کے درمیان فرق کردیں گے" اور فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو وہ الگ الگ ہوجائیں گے اور فرمایا کہ اے مشرکو! اور گنہگارو! آج مومنوں سے الگ تھلگ ہوجاؤ اور اس مطلب کا بھی احتمال ہے کہ اس سے دنیا میں ہی امتیاز مقصود ہو کہ مومنین کے اعمال جدا اور کافروں کے جدا۔ اور لِیَمِیْزَ کا لام سببیہ ہوسکتا ہے یعنی گناہ کے طور پر مال خرچ کرنے کے سبب خبیث کو طیب سے اللہ نے جدا کردیا یعنی امتیاز کرنے کے لئے کہ کافروں سے لڑنے کے لئے کون اطاعت کرتا ہے اور کون روگردانی کرکے معصیت کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا "دونوں لشکروں کے تصادم کے وقت جو کچھ تمہیں پہنچا، وہ خدا کے حکم سے تھا تاکہ مومنوں اور کافروں میں تمیز ہوجائے ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ خدا کی راہ میں جہاد کرو جارحانہ یا مدافعانہ تو کہتے ہیں کہ اگر اصول جنگ سے ہم واقف ہوتے تو ضرور لڑتے اور فرمایا کہ خدا آخر مومنین کو بھی ان کی موجودہ حالت پر کیوں چھوڑے وہ تو امتحان کرکے پرکھنا چاہتا ہے کہ اچھا کون ہے اور برا کون۔ اور امر غیب پر وہ تم کو آگاہ بھی کیوں کرے" اور فرمایا "کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ مجاہدین کے صبر کا اللہ تعالیٰ نے ابھی امتحان نہیں لیا"، اس کی نظیر سورہ براءۃ میں بھی ہے چنانچہ معنی یہ ہوئے کہ ہم کفار سے بھڑا کر تمہیں آزمائیں گے وہ تم سے قتال کریں گے تمہارے اموال صرف کریں گے۔ یہ صرف اس امتیاز کے لئے کہ خبیث کون ہے اور طیب کون ہے رکم کہتے ہیں ایک پر ایک اشیاء کو جمع کرتے جانا۔ جیسا کہ ابر کے بارے میں فرمایا کہ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا یعنی تہہ بہ تہہ بادل فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ط أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ پھر وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور بڑے خسارہ میں ہونگے

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ

آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجاویں گے تو ان کے گناہ سارے (جو اسلام سے) پہلے ہوچکے ہیں سب معاف کردیئے جاویں گے ۔ اور اگر اپنی وہی (کفر کی) عادت

مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ

رکھیں گے تو ان کو سنا دیجئے کہ کفار سابقین کے حق میں قانون نافذ ہوچکا ہے اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین خالص

كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا

اللہ ہی کا ہوجاوے پھر اگر کفر سے باز آجاویں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو

أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے

اپنے رسول سے خطاب ہو رہا ہے کہ ان کافروں سے کہہ دو کہ اگر تم کفر و عناد سے باز رہے اور اسلام میں داخل ہو کر طالب مغفرت ہوئے تو زمانہ کفر میں جو کچھ گناہ کیا تھا اللہ معاف کردے گا[1] جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اسلام میں آکر نیکوکار رہا تو اس سے کے جاہلیت کے گناہوں سے بھی مواخذہ نہ ہوگا اور جو اسلام میں آنے کے بعد بھی برا رہا تو اس سے ہر دو زمانوں کے اعمال سے متعلق پرسش ہوسکے گی۔ حضرت ابن

[1] حدیث صحیح میں ہے کہ اسلام اور ہجرت، ان تمام گناہوں کو دھو دیتے ہیں جو اسلام سے پہلے اور ہجرت سے قبل کسی نے کئے ہوں لیکن اب ہجرت فرض نہیں رہی بجز مخصوص حالات کے، اس لئے اسلام پر خدا تعالیٰ کا یہ فضل بہرحال مرتب ہوگا ۱۲ (محشی)

فرمایا کہ اسلام ماقبل کے گناہوں کے لئے توبہ ہے اور توبہ بھی تو اپنے سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے لیکن شرط ہے! اگر یہ اپنی سابقہ چال پر قائم رہے عناد نہ چھوڑا تو کیا وہ نہیں جانتے کہ پہلے کے لوگوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ عناد اور تکذیب کا سابقہ امتوں نے کیا نتیجہ دیکھا تھا۔ یاد رکھو عذاب دعقوبت ہی اس کا علاج ہوگا سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ سے مجاہدؒ، اور سدیؒ یوم بدر مُراد لیتے ہیں اور فرمایا "ان سے خوب قتال کرو حتی کہ فتنہ دَب جائے شرک مٹ جائے اور دین خدا ہی خدا کا ہو"!

ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے عبدالرحمٰن خدا نے فرمایا ہے کہ "اگر مومنین کی دو جماعتیں باہم قتال کریں" تو تم قتال میں کیوں شریک نہیں ہوتے، جب کہ ایسی دو جماعتوں کا قرآن میں ذکر ہے؟ تو ابن عمرؓ نے فرمایا "اے بھتیجے شریک جنگ نہ ہونے کا طعن میرے لئے سن لینا گوارا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی مومن کو عمداً قتل کروں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان سے قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ ہی باقی نہ رہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہماری یہی کیفیت تھی۔ اسلام میں بہت کم افراد تھے، آدمی کی دین کے بارے میں آزمائش ہوتی تھی لوگ یا تو قتل کر دیئے جاتے تھے یا قید وبند کی مصیبت میں مبتلا ہوتے تھے اور جب اسلام نے ترقی پالی تو اب فتنہ باقی نہ رہا۔ غرض یہ کہ اُس معترض شخص نے جب ابن عمرؓ سے اپنے موافق بات دیکھی ہی نہیں تو بات کا رخ پھیر کر کہنے لگا کہ علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا حضرت عثمانؓ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ بخشدیا اور تم عثمانؓ کی مغفرت کو ناپسند کرتے ہو۔ اور علیؓ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی ہیں اور داماد ہیں اور وہ دیکھو وہاں نبی کی بیٹی اور علیؓ کی بیوی رہتی ہیں۔ سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ہمارے پاس آئے اور کہا قتال فتنہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور فتنہ کس کو کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے قتال کرتے تھے اور اس وقت فتنہ در آیا ہوا تھا اور تمہارا قتال تو ملک اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ابن زبیرؓ کے فتنے سے متعلق دو آدمی اُن کے پاس آئے اور کہا تم جانتے ہو جو کچھ لوگوں کا عمل ہے تم عمرؓ کے بیٹے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اس فتنہ سے تم کو کس بات نے روکا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون مسلمان پر حرام کر دیا ہے، تو لوگوں نے کہا کہ، کیا خدا نے خود نہیں فرمایا ہے کہ فتنہ دب جانے کے لئے قتال کرو تاکہ دین خالص اللہ کا ہو جائے تو کہا۔ ہم نے تو فتنہ دبانے کے لئے بہت کچھ قتال کیا ہے۔ حتیٰ کہ فتنہ نہ رہا اور تم مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس لئے قتال کرنا چاہتے ہو کہ فتنہ اٹھ کھڑا ہو جائے اور دین اللہ کی بجائے غیر اللہ کا ہو جائے۔ اُسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں تو ایسے آدمی کو کبھی قتل نہ کروں گا جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ چکا ہو، تو سعد ابن مالک نے بھی ایسا ہی کہا تو اس آدمی نے قَاتِلُوْهُمْ والی آیت پڑھی تو ان لوگوں نے کہا کہ فتنہ کو دبانے والا ایسا قتال ہم نے کیا ہے اور فتنہ دَب گیا ہے اور دین خالص خدا کا ہو گیا ہے۔ ابن عباسؓ فتنہ دب جانے سے شرک کا دَب جانا مراد لیتے ہیں یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ سے مُراد خالص توحید ہے جس میں شرک کا لگاؤ نہ ہو اور خدا کے اقتدار میں کسی کو شریک نہ بنایا گیا ہو زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دین اسلام ہوتے ہوئے کفر باقی نہ رہے۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں کافروں سے قتال کرنے پر مامور ہوا ہوں حتیٰ کہ لوگ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قائل ہو جائیں اگر وہ قائل ہو گئے تو ان کے جان مال محفوظ ہو گئے، ہاں کسی وجہ سے قصاص وغیرہ میں قتل کئے جا سکتے ہیں اور اس کا حساب خدا کے پاس ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اظہار شجاعت میں قتال کیا ہو یا قوم وخاندان کی حمایت میں یا شہرت ونمود کی خاطر، اس میں کونسا قتال فی سبیل اللہ ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ صرف وہ قتال جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر عمل میں آیا ہو فی سبیل اللہ۔ قولہ فَاِنِ انْتَهَوْا یعنی اگر کفر کے ساتھ تمہارے قتال سے وہ باز رہے تو تم بھی ان سے ہاتھ روک لو، اس لئے کہ تمہیں ان کے دل کا حال کیا معلوم؟ جو کچھ ان کے دل کا حال ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ان کو دیکھتا ہے جیسا کہ فرمایا "و اگر انہوں نے توبہ کر لی اور نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے تو پھر ان سے پرسش مناسب نہیں

ف یہ جہاد کا مقصد ہے یعنی دین حق کا غلبہ، مسلمانوں کا ذاتی اقتدار یا تسلط جہاد کا مقصد نہیں دنیا میں وہ اشخاص سب سے زیادہ احمق ہیں جنہوں نے جہاد کے مقصد کو سمجھا نہیں اور اس مقدس فریضہ پر اعتراضات شروع کر دیئے ۱۲ (محشی)

دوسری جگہ ہے کہ اِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور فرمایا کہ فتنہ دبنے تک ان سے لڑتے رہو تاکہ خدا ہی کا مذہب رائج ہو جائے الزام صرف حد سے تجاوز کرنے والوں پر ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت اسامہ رضؓ نے ایک شخص پر تلوار اُٹھائی، اُس نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لیکن اسامہ رضؓ نے تلوار مار دی اور قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو فرمایا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد بھی تم نے اُس کو قتل کر دیا اب تم قیامت کے روز لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ کیا کرو گے؟ تو اُسامہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے تو صرف اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا، تو فرمایا کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا پھر آپ بار بار یہی فرماتے رہے کہ اب قیامت کے روز کیا کرو گے۔ اُسامہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج تک مسلمان نہ ہوا ہوتا تاکہ اسلام کے زعم میں اس کو قتل نہ کر دیتا۔

اور اگر انہوں نے پیٹھ پھیر لی تو جانے دو کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے، وہ بڑا اچھا مولیٰ ہے اور بڑا اچھا مددگار ہے اور اگر ان کی عادت تمہاری مخالف اور تمہاری مخالفت پر قائم ہی تو اللہ تمہارا مولیٰ اور تمہارا ناصر ہے۔ عبد الملک بن مروان نے عروہ کو لکھا اور چند باتیں دریافت کیں، تو عروہ نے یوں جواب لکھ بھیجا سلام علیک! میں خدائے واحد کی حمد کرتا ہوں اور پھر تمہیں لکھتا ہوں کہ تم نے مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے سے مدینہ کی طرف ہجرت کے واقعات پوچھے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں گا قوت وطاقت خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو نبوت عطا فرمائی، وہ کیسے اچھے نبی کیسے اچھے سید تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے جنت میں ہمیں ان کا چہرہ دکھائے انہیں کے دین و ملت پر زندہ رکھے اور انہیں کے دین پر موت دے اور انہیں کے ساتھ آخرت میں اُٹھائے آپ نے جب ہدایت اور نور کی طرف قوم کو بلایا تو لوگوں نے آپ کی تبلیغ کو کچھ ایسی اہمیت نہیں دی حضرت کی وحی کو سن بھی لیتے تھے اور جب آپ نے ان کے بتوں کا ذکر شروع کیا اور مالدار قریش کے لوگ طائف سے مکے آئے تو ان میں سے اکثر کو یہ تبلیغ بہت ناگوار گزری، آپ کی تبلیغ سے بیزار ہوئے جو کوئی مسلمان ہو بھی جاتا تو اس کو بہکانے لگتے۔ چنانچہ مائل ہونے والے عامۃ الناس بھی بے رغبت ہو گئے مگر چند لوگ اپنے مستقل ارادے پر قائم رہے۔ اسلام کی طرف سے ان کے خیالات پراگندہ نہیں ہوئے اب قریش کے سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ اسلام قبول کرنے والوں پر سختی کریں۔ یہ فتنہ ایک زبردست زلزلہ تھا جو اس فتنہ میں پھنس گیا سو پھنس گیا اور جس کو اللہ نے محفوظ رکھا تو محفوظ رہا۔ جب مسلمانوں پر یہ قریش بہت ظلم ڈھانے لگے تو حضرت نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ ارض حبش کی طرف ہجرت کر جائیں، حبش کا بادشاہ ایک مرد صالح تھا جس کا نام نجاشی تھا وہ ظالم بادشاہ نہیں تھا چاروں طرف اس کی تعریف ہوتی تھی۔ سرزمین حبش قریش کی تجارت گاہ تھی اور تجار قریش کے وہاں مکانات تھے جہاں وہ تجارت کر کے بہت مال پیدا کرتے تھے امن حاصل کرتے تھے اور تجارت خوب چمکی ہوئی تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو عام مسلمان جن پر مکہ والے زیادہ ظلم ڈھا رہے تھے، حبش کی طرف چلے گئے کیونکہ ان کو اپنی جان کا خوف تھا وہ وہاں ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھہرے صرف چند سال رہے۔ وہاں بھی مسلمانوں نے اسلام پھیلایا وہاں کے شرفا بھی اسلام لائے جب کفار قریش نے یہ رنگ دیکھا کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے وہ حبش چلے جاتے ہیں اور وہاں کے لوگوں اور سرداروں کو اپنا بنا لیتے ہیں تو اب انہوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ نرم برتاؤ اختیار کریں چنانچہ وہ نبی اور اصحاب نبی کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے لگے۔ چنانچہ پہلی آزمائش مسلمانوں کی یہی تھی جس نے مسلمانوں کو حبش کی طرف بھیجا۔ پھر جب نرمی پیدا ہو گئی اور وہ فتنہ جس کے زلزلوں نے مسلمان صحابہ کو وطن چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور کیا تھا اس کے کچھ دب جانے کی خبروں نے مہاجرین حبشہ کو پھر آمادہ کیا کہ وہ مکے واپس چلے آئیں۔ تو وہ تھوڑے بہت بھی جو گئے تھے واپس آ گئے۔ اس اثنا میں مدینہ کے انصار مسلمان ہو گئے اور مدینہ میں بھی اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔ ان اہل مدینہ کا مکے آنا جانا شروع ہوا اس سے مکے والے اور بگڑے مشورہ کیا کہ اب تو ان پر اور سختی کرنا چاہیے چنانچہ عام طور پر مسلمانوں پر مظالم توڑنے لگے مسلمان بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کے لئے دوسرا فتنہ اور دوسری آزمائش تھی۔ ایک فتنہ تو یہ کہ حبش کی طرف مسلمانوں کو بھاگنا پڑا اور دوسرا فتنہ وہاں سے مسلمانوں کے واپس آنے کے بعد جب کہ اہل مکہ نے دیکھا کہ مدینے سے لوگ آ رہے جا رہے ہیں اور مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بار مدینے سے ستر آدمی آئے جو معتبر اور سردار لوگ تھے اور یہ سب مسلمان ہو گئے حج کیا اور بہ مقام عقبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم آپ کے ہو رہے ہیں اور آپ ہمارے ہو رہیں گے۔ اگر آپ کے اصحاب ہمارے شہر میں

آئیں یا آپ تشریف لائیں تو ہم آپ کی اور اصحاب کی ایسی حمایت کریں گے جیسے کہ اپنی اور اپنے لوگوں کی کرتے ہیں۔ قریش نے اِس معاہدہ کو سن کر مزید سختی برتنی شروع کر دی۔ اب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو حکم دیدیا کہ مدینے کی طرف ہجرت کر جائیں، یہ دوسرا فتنہ تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اصحاب کو مکے سے نکالا۔ اسی چیز کو اللہ پاک نے قرآن میں ظاہر فرمایا ہے کہ ان کافروں سے قتال کرو حتیٰ کہ یہ فتنے ختم ہو جائیں۔ اور دین اللہ کا ہی سکہ چلے۔ عروہ ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ یہ خط عروہ نے عبدالملک بن مروان کو لکھا تھا۔ واللہ اعلم۔

۵۷ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے خلاف طاقتوں کو جب بھی غلبہ حاصل ہوا تو کوئی ایسی مصیبت نہیں تھی جو کفار کی جانب سے مسلمانوں پر نہ لائی گئی ہو۔ اسپین قرطبہ کی اندوہناک تاریخ، اور موجودہ دور میں الجزائر کے مجاہدین پر فرانسیسیوں کے مظالم، تاریخ کے سیاہ دھبے ہیں اس کے خلاف مسلمانوں کو جہاں کہیں عروج حاصل ہوا اُن کے اقتدار میں کسی بھی فرقہ کو کوئی تکلیف نہیں پہونچی یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ آج بھی اسلامی سلطنتوں اور غیر اسلامی علاقوں کے پیچ حالات سے اُس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ پس اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت، کفار کے مظالم سے محفوظ رہنے اور تمام فرقوں کو امن دینے کا بہترین علاج اسلام کا غلبہ ہے اس کے سوا نہ کوئی اور تدبیر کار آمد اور نہ کوئی راہ قابل عمل ہے ۱۲ (محشی)

الحمدللہ تفسیر ابن کثیر کا نواں پارہ پورا ہوا

فضائلِ دُعاء

دُعا اور اُس کے فضائل پر ایک بصیرت افروز کتاب۔ جناب حاجی نصیر الدین صاحب اکبر آبادی کی وہ بیش قیمت تالیف جس میں دُعاء کے فضائل اور اس کی اہمیت پر نہایت محققانہ مضمون قلمبند کیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں دعا کی حقیقت اور اُس کی تاثیر سے روشناس ہونے کے لئے فضائل دعا کا مطالعہ فرمائیں جس میں پچاس سے زیادہ عنوانات کے تحت اس موضوع پر کلام کیا گیا ہے۔ دُعاء اور اس کے مانگنے کا طریقہ۔ دعاء اور اُس کی قسمیں۔ دُعاء اور اس کی حقیقت و فضیلت دُعاء اور اُس سے متعلق بزرگوں کی ہدایت، غرض اس مختصر سے کتابچہ میں دعاء سے متعلق جملہ اُمور زیر بحث آگئے ہیں۔ آج ہی منگائیے۔ کتابت، طباعت دل کش، کاغذ اعلیٰ، سرورق رنگین

تفسیر فیض الرحمٰن

مولانا یعقوب الرحمن عثمانی رحمہ نے اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ سورہ الحمد اور معوذتین کے مضامین کی بڑے اچھے انداز میں تفسیر کی ہے۔ خاص خصوصیت یہ ہے کہ علمائے اسلام اور اکابر اُمت کی تحقیقات کے جا بجا خلاصے درج کئے گئے ہیں۔ مولانا نے ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہنوں کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت عام فہم اردو میں اس تفسیر کو تحریر کیا ہے۔ مولانا مرحوم حیدر آباد دکن کی مشہور عثمانیہ یونیورسٹی کے سابق پروفیسر تھے۔ ہمارے پاس اس نایاب تفسیر کے چند نسخے موجود ہیں آج ہی طلب فرمائیے۔ رعایتی

تذکرۃ الاعزاز

دنیائے اسلام کی شہرۂ آفاق دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں درجہ اولیٰ کے مدرس حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر لیکن مستند سوانح حیات جس میں اس مرد صالح کی پاک اور بے لوث زندگی پر ان کے شاگرد رشید مولانا سید ازہر شاہ کشمیری مدرس دارالعلوم دیوبند نے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ عوام کے لئے باعث نصیحت ہے۔ ادارہ اپنے مخلص ممبران کی خدمت میں اس کے رعایتی